فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

حدیث نبوی کا خلاف کرنے والوں کو ضرور کوئی نہ کوئی فتنہ اور دردناک عذاب ہوتا ہی ہے۔

[illegible] مالک یوم الدین کتاب

اعلام الموقعین عن رب العلمین

[illegible] عمدۃ المفسرین۔ امام شمس الدین۔ ابو عبداللہ محمد بن ابوبکر [illegible]

[illegible] رحمہ اللہ الاعلی القوی۔ المتوفی ۷۵۱ سنہ ہجری

[illegible] بنام

دلائل المتقین باحادیث سید المرسلین

المعروف بہ

دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

سنہ ۱۹۳۵ء

حصہ اول

مترجمہ۔ عالم دین۔ متبع سنت امام النبیین۔ الداعی الی صراط المستقیم۔ حضرت مولانا محمد بن ابراہیم جزاہ اللہ الرحیم الکریم۔ مدرس مدرسہ دار الحدیث محمدیہ۔ ایڈیٹر اخبار محمدی۔ دہلی

جسمیں حدیث کو رائے سے۔ مسائل شرعیہ کو قیاس سے۔ عمل بالحدیث کو تقلید سے۔ فرمان رسول کو اقوال غیر سے۔ بالکل نتھار کر علیحدہ کر دکھایا ہے۔ اور اس سچے دین اسلام کو اسی اصلی صورت میں دنیائے اسلام کے سامنے پیش کیا ہے جس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔

بہ ماہ شوال سنہ ۱۳۵۳ھ جید برقی پریس دہلی میں حسب فرمان جناب مولانا محمد صاحب طبع ہوئی

بہ قیمت چودہ آنے اس پتے سے منگوا لیجیے

دفتر اخبار محمدی۔ باڑہ ہندو راؤ دہلی

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ کسی وقت ایماندار نہیں ہو سکتے ہیں جبکہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں تجھے حاکم نہ مانیں اور تیرے ہر فیصلے کو کشادہ دلی کے ساتھ بلا چون و چرا تسلیم کر لیا کریں

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ کتاب

اعلام الموقعین عن رب العالمین

مصنفہ مجدد دین۔ امام المجتہدین سراج مفسرین۔ عمدۃ المحدثین۔ امام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب الزرعی۔ المعروف بہ ابن القیم جوزی دمشقی رحمۃ اللہ الاعلےٰ القوی المتوفی ۷۵۱ سنہ ہجری

کا اردو ترجمہ بنام

دلائل المحققین باحادیث سید المرسلین

المعروف بہ

دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۹۳۵ء

مترجمہ عالم دین۔ متبع سنت امام النبیین۔ الداعی الی صراط المستقیم حضرت مولانا محمد بن ابراہیم جزاہ اللہ الرحیم الکریم۔ مدرس مدرسہ دار الحدیث محمدیہ۔ ایڈیٹر اخبار محمدی۔ دہلی

جسمیں حدیث کو رائے سے، مسائل شرعیہ کو قیاس سے، عمل بالحدیث کو تقلید سے۔ فرمان رسول کو اقوال غیر سے۔ بالکل نتھار کر علیحدہ کر دکھایا ہے اور اس سچے دین اسلام کو اسی اصلی صورت میں دنیائے اسلام کے سامنے پیش کیا ہے جس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے

ماہ شوال ۱۳۵۳ھ سے حسب فرمان جناب مترجم صاحب ظلہ

جید برقی پریس دہلی میں طباعت شروع ہوئی

ملنے کا پتہ: دفتر اخبار محمدی۔ بارہ ہندو راؤ۔ دہلی

بسم اللہ - والحمد للہ - والصلوٰۃ علی النبی اللہ -

مجدد دین امام ابو عبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بہ امام ابن القیم مصنف اعلام الموقعین کی مختصر سوانحعمری

علوم دین اسلامیہ کے بے پایاں میٹھے سمندر میں سے جس نے ایک چلو بھی پانی پی لیا وہ اس زمین کا مہتاب بن کر چمک اٹھا لیکن جن خوش قسمت ہستیوں کو قدرت کے فیاض ہاتھوں نے اس آب کوثر کے چھلکتے ہوئے جام پر جام پلائے ان کی نورانیت نے تو اندھیروں کو اجالوں ... ان بزرگ ہستیوں میں ایک ممتاز ہستی ہمارے ممدوح حضرت امام ابن القیم رحمۃ اللہ ... لاتے ہیں۔ گو آپ کے اساتذہ بہت ہیں لیکن جن کی روحانیت میں آپ رنگے ہوئے ... دنیا کا وہ کونسا علمی دریا ہے جس میں ہمارے ممدوح تیرے نہوں؟ وہ کونسا علمی شعبہ ہے ... علوم دینی میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ عمل صالح میں بھی ید طولیٰ حاصل کئے ہوئے ... تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے۔ بہت ہی منکسر المزاج متواضع ... اپنے زمانے میں بےنظیر تھے۔ زہد و ورع عبادت و ریاضت میں آپ کا ہمسر ... کی نماز پڑھنے سے پہلے آپ مسجد سے کبھی نہیں نکلے۔ یہ پورا وقت ذکر و فکر ... دنیا میری غذا ہے۔ اسے اگر میں ترک کردوں تو میری طاقت طاق ہو جائے۔ آپکے علمی شغف کا یہ حال تھا کہ آپ کے برابر کتب ... کسی کے پاس نہ تھا۔ آپ کی بہترین تصانیف آج تک محققین کیلئے شمع ہدایت کا کام دیتی ہیں۔ صحیح معنے میں دنیا کے بڑے پرا گر فقہ حدیث کی کتابیں ہیں تو آپ ہی کی تصنیفات ہیں۔ آپکی تصانیف میں جو علمی جواہر ریزے ہیں ان میں جو لاثانی تحقیق و تدقیق ہے۔ بلکہ ان میں جو نورانیت اور روحانیت ہے جو جذب اور کیف ہے بخدا اسکا حصہ کم مصنفین کو حاصل ہوا ہے۔ ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ آج ہر عالم ان کتابوں کا ایسا ہی محتاج ہے جیسے بھوکا کھانے کا اور پیاسا پانی کا۔ آپ برسوں تک اپنے استاد حضرت امام ابن تیمیہ کی صحبت میں رہے۔ اپنے استاد رحمہ اللہ کیساتھ اور آپ کے بعد بھی آپکے ہم زمان علماء سوء نے آپکی سخت مخالفت کی۔ اور بڑی بڑی مصیبتیں پہنچائیں لیکن یہ امام صاحب ہی کا دل گردہ تھا کہ پیشانی پر شکن تک نہ آنے دی۔ اور حق مسائل کے پھیلانے میں دنیا کی دشمنی کی مطلقاً پرواہ نہ کی۔ حدیث و قرآن کی جو پہیلیاں خدائے تعالیٰ نے آپکو سجھائی اور سمجھائی تھیں۔ آپنے اس امانت خداوندی کے پہنچانے میں کبھی بخل و بزدلی سے کام نہ لیا۔ حق تو یہ ہے کہ عشق حدیث نے آپکو اس منزل تک پہنچا دیا تھا کہ سوائے اشاعت احادیث کے آپ کے دل میں اور کوئی دھن ہی نہ تھی۔ مالی نقصانات آبرو کے نقصانات یہانتک کہ جسمانی اور جانی نقصانات کی کبھی آپنے پرواہ تک نہ کی۔ دنیا آپکے قدموں پر گری لیکن آپنے ٹھکرا دیا۔ عزت و جاہ منصب و مال آپکے سامنے پیش ہوا لیکن آپ نے کبھی اس پر نظر تک نہ ڈالی مصیبتوں کے گھٹا ٹوپ بادل گھر گھر کر آئے۔ لیکن آپکی لازوال قوت ایمانی نے ان کا رخ ادھر سے ادھر پھیر پھیر دیا۔ سنت رسول حدیث نبی کی اشاعت میں۔ لوگوں کو اندھی تقلید کے پرخطر گڑھے سے نکالنے میں وہ وہ سختیاں سہیں کہ پتھر بھی ہوتا تو پانی ہو جاتا۔ لیکن کیا مجال جو ہمارے ممدوح کا پیچھے ہٹنے والا قدم ذرا سی دیر کے لئے بھی ہڑکا ہو۔ قید کئے گئے۔ رسوا کئے گئے۔ مصیبت میں گرفتار کئے گئے۔ آہ! اونٹ پر باندھے گئے۔ بازاروں میں گھمائے جاتے ہیں۔ کوڑے کھا رہے ہیں اور زبان پر حق جاری ہے۔ اس جرأت و ہمت کے انسان چشم فلک نے کم دیکھے ہونگے۔ کہ حدیث پر عمل پیرا ہونے میں ساری دنیا کی مخالفت کی پرواہ نہیں۔ گو تنہا ہیں لیکن اشاعت حق میں کوہ ہمالیہ کی طرح اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں۔ ۳ رجب ۷۵۱ھ میں بعمر ساٹھ سال وفات پائی۔ رحمہ اللہ و رضی عنہ۔ فقط۔

محمد (مترجم کتاب اعلام الموقعین مصنفہ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ) ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی

ادا کرتا ہوں ۔ اور اُس کی شکر گذاری ہی اُس کے فضل و کرم اور لطف و رحم کی زیادتی کا سبب ہے ۔ میں اُس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں ۔ گناہوں کی وجہ سے ہی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں ۔ اور مصیبتیں گھیر لیتی ہیں میری گواہی ہے کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ۔ یہی کلمۂ شہادت وہ ہے جس سے زمین و آسمان قائم ہیں ۔ اسی فطرت پر تمام مخلوق کی پیدائش ہوئی ہے ۔ اسی پر اسلام جیسے سچے دین کی بنیاد ہے ۔ اور اسی پر کعبہ منصوب ہے ۔ اور اسی کے لئے مجاہدین کی تلواریں میانوں سے نکلنے کے لئے بیتاب ہیں ۔ اور اسی کا قطعی حکم خدا کے سب بندوں کو ہو چکا ہے ۔ یہی وہ فطرت ہے جس پر کُل عالَم کی پیدائش ہے ۔ یہی عبادت کی اصلی کنجی ہے جس کی دعوت تمام نبیوں اور رسولوں کی زبانی خدا نے پہنچائی ۔ سنو یہی کلمۂ اسلام ہے ۔ یہی سلامتی کے گھر جنت کے دروازوں کی کنجی ہے ۔ یہی ہر فرض و سنت کی اصل ہے ۔ یہی وہ کلمہ ہے کہ جس کا خاتمہ اس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر ہوا وہ قطعی جنتی ہے ۔ اسی طرح میری گواہی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے سچے رسول ہیں ۔ اور تمام مخلوق سے بہتر و افضل ہیں ۔ آپ بندگانِ خدا پر خدا کی حجت ہیں ۔ اور وحیِ خدا کے امانت دار ہیں ۔ آپ کو جنابِ باری نے رحمۃ للعالمین بنا کر اور علما کا پیشوا اور رہبر بنا کر بھیجا ہے ۔ راہِ خدا کے رہرو آپ کے قدم بہ قدم ہیں ۔ اور سرکش و ضدی لوگ آپ کی راہ سے الگ ہیں ۔ کفر و انکار کرنے والے اپنے فعل پر پچھتائیں گے ۔ اس آخری زمانے میں پروردگارِ عالم نے آپ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے ۔ کہ آپ ڈرا دیں ، اور خوش خبری سنا دیں ۔ اور اللہ کے فرمان سے اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائیں ۔ آپ چمکتے ہوئے چراغ اور بیچ آسمان کے سورج ہیں ۔ آپ خدا کی وہ نعمت ہیں جس کا شکر تمام زمین والے مل کر بھی ادا نہیں کر سکتے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد اپنے قریبی فرشتوں سے کی ۔ اور اپنی اور اپنے ایماندار بندوں کی نصرت سے آپ کی تائید کی اور آپ پر اپنی واضح کتاب نازل فرمائی ۔ جو ہدایت و گمراہی میں ۔ بے راہی اور راہِ راست میں شک اور یقین میں فرق کرنے والی ہے ۔ اُس نے آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ کا بوجھ اتار دیا ۔ اور آپ کا ذکر بلند کیا ۔ اور آپ کے مخالفین پر ذلت و حقارت برسائی ۔ اور آپ کی حیات کی قسم اپنی کتاب میں کھائی ۔ اور اپنی توحید کے ساتھ آپ کی رسالت کا ذکر ملا دیا ۔ جیسے کہ خطبے میں تشہد میں اور اذان میں ۔ اپنے بندوں پر آپ کی طاعت محبت اور ادائیگیِ حق فرض کر دیا ۔ اب خدا کی طرف پہنچنے کے جنت میں جانے کے تمام راستے سوائے آپ کے راستے کے بند ہیں ۔ اخلاق اقوال اعمال کے جانچنے کی کسوٹی آپ ہی ہیں کھوٹے کھرے کی پرکھ ہدایت و ضلالت کی تمیز آپ سے ہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ پر ہزاروں درود و سلام بھیجے کہ ساری دنیا کے خلاف کی پروا نہ کر کے آپ شریعتِ خدا کے مبلغ بنے رہے ۔ احکامِ خدا کے پہنچانے میں کسی روک کی طرف کبھی التفات تک نہ کیا ۔ خدا کی رسالت کی تبلیغ کر کے ہی رہے ۔ امانتِ خداوندی کو اچھی طرح سے ادا کر دیا ۔ امت کی پوری خیر خواہی کی اور راہِ خدا میں پورا جہاد کیا ۔ آپ کی رسالت کے نورانی جلوے نے اندھیروں میں اُجالا کر دیا ۔ بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کر دیا ۔ بنجر اور غیر آباد زمین سرسبز و شاداب بن گئی ۔ اور بے شمار لوگ خدا کے دین میں داخل ہو گئے ۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں اپنے پسندیدہ دین کو بالکل پورا کر دیا ۔ اور اپنے ایماندار بندوں کو اپنی نعمتیں بھرپور عطا فرما دیں ۔ تو اپنے حبیب کو اپنے پاس بلوا لیا ۔ اور بہترین بلند رفیقوں سے آپ کو ملا دیا ۔ آپ جنت الاعلیٰ کی طرف سدھارنے سے پہلے اپنی امت کو صاف اور واضح راستے پر ۔ کامل اور اکمل دین پر ۔ عمدہ اور روشن دلیلوں پر قائم کر گئے ۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ خود اور اُس کے تمام فرشتے اور تمام انبیا اور تمام رسول اور کل نیک بندوں کی طرف سے آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام نازل ہوں ۔ جیسے کہ آپ نے خود پابندیِ توحید کر کے دوسروں کو بھی توحید سکھائی ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے بکثرت درود و سلام آپ پر نازل ہوں ۔ آمین !!!

اَمَّا بَعْدُ ۔ سب سے زیادہ رغبت و لالچ کے لائق اور دوڑ کر لپکنے کے قابل وہ چیز ہے جس سے دین و دنیا سنور جائے ۔ جو نجات و سعادت کی دلیل بن جائے ۔ ایسی چیز نفع دینے والا علم اور صلاحیت والا عمل ہے بغیر ان دونوں باتوں کے چھٹکارا ناممکن ہے اور نیکی کا حاصل ہونا محال ۔ جسے علم و عمل مل گیا یقین مانو کہ وہ مقصدور اور کامیاب ہو گیا ۔ اور جو ان دونوں سے محروم رہا وہ ازلی بدنصیب تمام نعمتوں سے محروم رہا ۔ ان کا حاصل ہونا انسان کو مرحوم یعنی رحمت حاصل کرنے والا ۔ اور ان کا فوت ہو جانا انسان کو محروم یعنی خالی ہاتھ رہ جانے والا بنا دیتا ہے ۔ نیک بد بھلے بُرے ظالم مظلوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ

اعلام الموقعین عن رب العلمین

اللہ تعالیٰ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے قسم قسم کی مخلوق پیدا کی۔ اور اُن کی پیدائش میں بارہا جس طرح کا چاہا اپنی قدرت و عزت سے تصرف کیا۔ اور انسانوں اور جنوں کی طرف اُنہیں آگاہ کرنے اور اُن کے عذر مٹانے کے لئے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اور اُن کی فرماں برداری کرنے والوں کو اپنی بھرپور نعمتوں سے نوازا۔ اور اُن کا خلاف کرنے والوں پر اپنی حجت پوری کر دی۔ دلیلیں قائم کر دیں راستہ ظاہر کر دیا۔ روڑے دور کر دئے۔ معذوری دفع کر دی۔ حجت قائم کر دی سچائی واضح کر دی۔ اور کھُلے لفظوں میں فرما دیا کہ میری سیدھی راہ یہی ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ اور دوسری راہوں کے پیچھے نہ لگو۔ یہ ہیں میرے انبیا جو خوش خبریاں دینے والے اور ڈرانے والے ہیں۔ ان کے آچکنے کے بعد کسی کی کوئی حجت میرے سامنے نہیں چلنے کی۔ اُس کے عدل و انصاف کے قربان جائیں کہ اُس نے اپنے بندوں کو اپنے رسولوں کی زبانی اپنا دعوت نامہ پہنچا دیا۔ اور اپنے خاص فضل و کرم اور لطف و رحم سے جسے چاہا ہدایت کی صحیح راہ پر لا کھڑا کر دیا۔ جن کے حصے میں پہلے ہی سے سعادت آچکی تھی اُنہوں نے لپک کر ہدایتِ خداوندی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور پھر رب سے دعائیں کرنے لگے کہ باری تعالیٰ تو توفیق عطا فرما کہ ہم پر اور ہمارے ماں باپ پر جو نعمت تو نے عطا فرمائی ہے ہم اُس کی کامل شکر گذاری کریں۔ اور اُن نیک اعمال میں لگے رہیں جو تیری رضامندی کے ہوں۔ اے پروردگار تو ہمیں اپنی خاص رحمت سے اپنے نیک بندوں کے گروہ میں شامل کر لے۔ ہاں جن پر بدبختی نے چھاپہ مار رکھا تھا اُنہوں نے بن دیکھے اس نعمت سے دست برداری کر لی۔ پس توفیقِ ہدایت فضلِ خدا اور انعامِ خدا ہے۔ نہ تو اس کا فضل ختم ہونے والا۔ نہ اُس کے انعام بند ہونے والے۔ اور ہدایت سے محرومی بھی قضا و عدل سے خالی نہیں۔ مخلوق میں سے کس کا زہرہ ہے جو اُس سے بازپرس کر سکے؟ ہاں وہ علی الاطلاق حاکمِ کُل ہے جس سے چاہے بازپرس کرے۔ ہم اپنے اُس پالنہار پاک پروردگار کی پاکیزگیاں بیان کرتے ہیں جس نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے برستے ہوئے بادل بھیجے۔ اور اپنے اوپر رحم و کرم کرنا لازم کر لیا۔ اور خود آپ ہی لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ برکتوں والا ہے وہ خدا جس کی ربوبیت اور وحدانیت۔ جس کے علم اور جس کی حکمت کی گواہی ہر ہر چیز دے رہی ہے۔ اور سب سے چشم پوشی کر لینے کے بعد بھی صرف یہی ایک چیز کیا کم ہے؟ کہ کمال کے مرتبوں میں اُس نے اتنا زبردست فرق رکھا کہ ایک کو ایک ہزار سے بھی بہتر بنا دیا۔ کیا اس سے ہم صحیح طور پر نہیں معلوم کر سکتے؟ کہ اُس نے توفیق کو ٹھیک جگہ ہی نازل فرمائی ہے اور اپنے فضل کو مناسب جگہ اُتارا ہے۔ اور اپنی رحمت سے جسے چاہے مخصوص فرما لیتا ہے۔ فی الواقع وہ علم و حکمت والا ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں فضل و کرم ہے۔ جسے چاہے عطا فرمائے۔ وہ بہت بڑے اور سارے کے سارے فضل کا مالک ہے۔ میں اُس کی حمد بیان کرتا ہوں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حمد کے بیان کی توفیق بھی اُس کا ایک زبردست احسان ہے۔ میں اُس کا شکر

نافرمانی کریگا وہ بھی غارت کر دیا جائیگا۔ اور بھی اس کی مثالیں قرآن پاک میں بہت اور بکثرت ہیں۔

فصل۔(۲) قیاسِ دلالت

اصل و فرع میں دلیلِ علت اور اس کے ملزوم سے جمع کرنے کا نام قیاسِ دلالت ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اُس کی نشانیوں میں سے زمین ہے کہ تو اُسے خشک غیر آباد دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر بارشیں برساتے ہیں تو وہی حرکت میں آجاتی ہے تر و تازہ ہوکر اپنی پیداوار نکال دیتی ہے۔ سُن جس نے اسے اس کی موت کے بعد جلا دیا وہ یقیناً مُردہ انسانوں کے زندہ کر دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ بے شک وشبہ وہ جو چاہے اُس کے کر ڈالنے پر قادر ہے۔ اس آیت سے بھی اس بات کی دلیل لی ہے کہ زمین کی مُردگی اور زندگی تمہارے سامنے ہے روز مرہ مشاہدے میں آرہی ہے یہی دلیل ہے دُنیا کے فنا کے بعد دوبارہ خداوندِ عالم کے سامنے جی اُٹھنے کی جسے تم محال جان رہے ہو۔ یہ زندہ کر دینے کا زندہ کر دینے پر قیاس ہے۔ چیز کا اپنی نظیر پر اعتبار ہے۔ اس میں علتِ موجبہ قدرتِ خدا کا عموم اور اُس کی حکمت کا کمال ہے زمین کو زندہ کر دینا یہ دلیل ہے علت کی۔ اسی میں اللہ عزّ وجلّ کا یہ فرمان بھی ہے کہ وہ زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ زمین کی موت کے بعد اُسے زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح تم سب نکالے جاؤگے۔ یہاں بھی نظیر سے نظیر پر دلیل ہے۔ ایک کو دوسرے سے بالکل قریب کر دیا۔ اخراج کا لفظ اسی لئے آیا ہے یعنے تمام لوگ زمین سے زندہ کرکے نکالے جائینگے جیسے کہ زندہ مُردے میں سے نکلتا ہے اور جیسے کہ اُس کی قدرت سے مردہ زندے میں سے نکلتا ہے اسی میں یہ آیت بھی ہے کہ کیا انسان یہ سمجھے ہوئے ہے کہ وہ یونہی آوارہ و آزاد چھوڑ دیا جائیگا کیا وہ ابتداً منی کا ٹپکا ہوا قطرہ نہ تھا پھر وہ خون بستہ کی شکل میں ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا کیا اور ٹھیک ٹھاک کیا پھر اُس میں جوڑے بنائے مرد اور عورتیں کیا ان قدرتوں والا خدا مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ؟۔ پس یہ نشان ہے اللہ رب العالمین کے ہونے کا جو اپنی ہر چاہت کے پورا کرنے پر قادر ہے۔ یہاں اُس نے بتلایا ہے کہ اُس نے انسان کو ابتداً نطفے سے پیدا کیا جو ایک حقیر و ذلیل چیز ہے پھر اُس پر کیسی کیسی حال آئے آج کچھ ہے کل کچھ ہے یہانتک کہ اب وہ چلتا پھرتا دیکھتا بھالتا قوی اور سڈول انسان بن گیا پھر کیسے ممکن ہے کہ اسے یونہی بیکار اور مہمل چھوڑ دیا جائے ؟ اسے نہ کوئی حکم دیا جائے نہ کسی بات سے منع کیا جائے نہ اس سے کوئی عبادت کرائی جائے حالانکہ اسے اپنے فضل سے کمال تک پہنچا دیا ہے ایک قطرے کی صورت سے انسان بنا دیا ہے۔ پس اگر یہ ٹھیک ٹھاک رہا اپنے فرض کو پہچانتا رہا تو وہ اسی طرح اسکے درجات وکمالات بڑھاتا رہیگا۔ یہانتک کہ اُسے اپنے مہمان خانے میں اپنے پاس نعمتوں والی جنت میں جگہ دیکر اپنا دیدار دکھائیگا اور اپنا کلام سُنائیگا۔ اسی میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ قول ہے کہ وہ اپنی رحمت سے پہلے اُس کی خوشخبری دینے والی ہوائیں جاری فرماتا ہے وہ جب پانی کے بھرے بادل اُٹھاتی ہیں تو ہم اُن بادلوں کو مُردہ شہر کی طرف لے چلتے ہیں اُس سے بارش برساتے ہیں اور اُس کی وجہ سے ہر طرح کے پھل زمین سے نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکالینگے کہ تم نصیحت حاصل کرلو۔ اچھی زمین تو اپنی پیداوار خوب نکالتی ہے بُری زمین سے سوائے کوڑے کرکٹ کے اور کیا نکلے گا؟ ہم ہیر پھیر کر اپنی نشانیاں اس طرح یوں بیان کرتے ہیں کہ شکر گذار لوگ فائدہ اُٹھائیں۔ پس یہاں دو زندگیاں ہیں ایک کا اعتبار دوسری پر ہے ایک کا قیاس دوسری پر ہے پھر دوسرا قیاس بیان فرمایا کہ زمین کا کوئی حصہ تو بہت بھلا ہوتا ہے بارش برستے ہی اُس میں سے بحکم خدا خیر و برکت اُبل پڑتی ہے۔ کوئی حصہ بنجر ہوتا ہے اُس میں بھی کچھ نہ کچھ نکل ہی آتا ہے گو وہ فائدے کے قابل بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ بارش ایک ہی ہے اُس میں پیداوار کی قوت خدا نے رکھی ہے لیکن جیسی زمین تھی ویسا اُس کا اثر ہوا۔ اسی طرح وحیِ آسمانی جو بارش کے مشابہ ہے اور دلِ انسانی جو زمین کے مشابہ ہے اس کی زندگی اس سے ہو جاتی ہے۔ محلِ عمل چونکہ دل ہے اور یہ مشابہ زمین کے ہے کہ وہ بھی محلِ پیداوار ہے تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں جیسے زمین کی دو قسمیں تھیں پس وہ دل بھی ہیں جو وحیِ خدا سے فائدہ حاصل نہیں کرتے وہ اس سے پاک نہیں ہوتے نہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جیسے ردّی زمین کا ٹکڑا جس نے بارش سے فائدہ نہ اُٹھایا نہ اُس میں سے کوئی مفید پیداوار نکلی اور جو اچھے دل ہوتے ہیں وہ خوب سیر حاصل نفع اُٹھاتے ہیں ایمان میں بڑھ جاتے ہیں عمل میں سبقت کر جاتے ہیں۔ مومن قرآن سُن کر سوچ سمجھ کر اثر لیتا ہے پس اس کی مثال اُس پاک صاف زمین

گمراہ اور نیک میں فرق ان دو چیزوں سے ہی ہوتا ہے۔ علم چونکہ عمل کا ساتھی اور سفارشی ہے۔ اور اس کی فضیلت اس کے معلومات کی فضیلت کے تابع ہے اس لئے دنیا جہان کے تمام علموں میں بہترین علم علمِ توحید ہے۔ اور سب سے زیادہ نفع والا علم بندوں کے کاموں کے احکام کا علم ہے۔ ان دونوں فضیلتوں کے حاصل کرنے کی راہ۔ اور ان دونوں عالموں کی ملاقات کا امکان بجز اُس منبع نور کے اور کوئی نہیں۔ جس کی معصومیّت زبردست ٹھوس اور بالکل صحیح خدائی دلیلوں سے ہو۔ اور جس کی متابعت اور اطاعت آسمانی کتابوں نے صراحت کے ساتھ نام سمیت بیان کی ہو۔ ایسی ذات سوائے صادق ومصدوق حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں۔ آپ اپنی طرف سے کسی شرعی معاملے میں بولتے ہی نہ تھے۔ جو کچھ ارشاد فرماتے وہ وحی خدا سے ہی فرماتے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اس علم کا حاصل کرنا دو طرح ہو سکتا ہے۔ یا تو واسطے اور ذریعہ سے یا بے واسطہ اور بے ذریعہ۔ ظاہر ہے کہ بلا واسطہ براہِ راست تو یہ دولت صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہی نصیب ہوئی وہ اس دولت سے مالامال ہوگئے۔ اور اس عظمت سے نہال ہوگئے۔ اُنکے بعد کون ہے؟ جو اُن کی جوتی میں پاؤں ڈال سکے۔ اب تو بزرگ وہ ہیں جو اُنکی صحیح راہ کی پیروی کریں۔ اور بدنصیب ہیں وہ جو اُنکی راہ سے ادھر اُدھر ہو جائیں۔ ایسے لوگ پریشان ہو کر مارے مارے پھرینگے۔ آخر نہ جانے کس ریگستان میں بے دانہ و پانی مریں۔ ہے کوئی ایسی خصلتِ خیر جو صحابہ کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی ہو؟ ہے کوئی ایسا نیک طریقہ جس سے وہ انجان رہے ہوں۔ واللہ نہرِ حیات کے بیچوں بیچ سے نتھرا ہوا صاف ستھرا پانی اُنہوں نے ہی پیا۔ اسلام کے خیمے کی میخیں اُنہی کے مبارک ہاتھوں گاڑی گئیں۔ بعد والوں کے لئے اُنہوں نے مجالِ سخن نہیں چھوڑی۔ نہایت عدل وانصاف کے ساتھ ان بزرگوں نے دنیا کے دل قرآن و ایمان سے اور دُنیا کے ملک تیغ و سنان سے فتح کئے۔ اور جو پاک نور شمع نبوّت سے انہوں نے لیا تھا۔ اُس سے تابعین کے دلوں کو منوّر کر گئے۔ صحیح کہنا ان کی اس سند سے بہتر صحیح اور بلند درجہ کوئی سند ہو سکتی ہے؟ کہ اُنہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لیا۔ اور حضورؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے لیا۔ اور اُنہوں نے ربُّ العالمین وحدہٗ لاشریک لہ سے لیا۔ اُن کے اس سچے فرمان کے صدقے جائیں کہ فرماتے تھے۔ کہ یہ عہد ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا۔ اور یہی عہد ہم نے تم سے لیا۔ یہ فرمان ہمیں پیغمبرؐ سے پہنچا۔ اور ہم نے بجنسہٖ تمہیں پہنچا دیا۔ یہ ہے ہمارے رب کی وصیت اور اُس کا فریضہ ہم پر۔ اور یہی تم پر ہے۔ اللہ اُن تابعین پر بھی رحم وکرم فرمائے جو اُن کے مضبوط راستے پر لوہے کی لاٹ بن کر جم گئے۔ اور صراطِ مستقیم پر اُن کے نشاناتِ قدم پر قدم رکھتے ہوئے چلتے رہے۔ اے رب تو اپنی بےشمار رحمتیں اُن تبع تابعین پر بھی نازل فرما۔ جو اس پاک مسلک پر تابعین کے تابع رہے۔ اور پاک بات اور سچی راہ پر چلے۔ یہ سچ ہے کہ بہ نسبت تابعین کے ان تبع تابعین کی تعداد کم رہی۔ اور یہ تو خدائے رب العالمین فرما ہی چکا تھا۔ کہ پہلوں میں بہت ہیں اور پچھلوں میں تھوڑے ہیں۔ پھر چوتھا زمانہ آتا ہے کہ وہ بھی باعتبار ایک صحیح حدیث کے خیریت کے زمانوں میں ہے۔ اُس زمانے کے ائمہ بھی انہی کے نور کے پرتو سے منوّر ہوئے۔ انکے دلوں میں اور انکی آنکھوں میں خدا کا دین اس سے بہت ہی بلند تھا۔ کہ وہ رائے کو یا عقل کو یا تقلید کو یا قیاس کو اس پر مقدم کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی مقبولیّت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ اور رب العالمین نے اُن کا ذکر جمیل اُن کے بعد بھی جاری رکھا۔ پھر ان کے تابعداروں کی ایک جماعت تو ان کی اتباع میں انہی کے مطابق رہی۔ خدا نے اُنہیں توفیق دی۔ اور اُنہوں نے اپنا طریقہ وہی رکھا جس پر اُن بزرگوں کو پایا تھا۔ کسی کی طرفداری کا تعصب اُن میں نام کو نہ تھا۔ وہ اپنے بزرگوں کی طرح حجت و دلیل کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ حق کا منہ جدھر کو پاتے اپنا منہ بھی اُسی طرف کر لیتے حق کا دامن تھامے رہتے اور اُسی کے گرداگرد گھومتے پھرتے رہتے۔ دلیلِ حق ظاہر ہوتے ہی تنہا اور باجماعت اُس کی طرف لپکتے اور دونوں ہاتھوں سے اُسے تھام لیتے۔ حدیثِ رسول سنتے ہی پروانہ وار جھوم جھوم کر آتے اور جھرمٹ لگا کر بیٹھ جاتے۔ جانتے تھے مانتے تھے عقیدہ رکھتے تھے اور عمل بھی کہ قرآن وحدیث کے مقابلے پر کسی انسان کا قول نہیں لایا جا سکتا۔ اس کا معارضہ اور مقابلہ رائے قیاس سے کرنا اس کی توہین وحقارت کرنا ہے۔ آہ! اب زمانہ کروٹ لیتا ہے۔ اور وہ لوگ آتے ہیں جنہوں نے پھوٹ و تفرق ڈال دی۔ جدا جدا گروہ بندیاں کر دیں۔ اور اپنے اپنے جداگانہ اصول وفروع پر خوشی خوشی جم گئے۔ دینِ خدا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ ان میں سب سے بڑا دیندار وہ سمجھا جانے لگا جو سب سے زیادہ اپنے مذہب پر متعصب ہو۔ ہم کہہ سکتے

کی کہ منکرین کا شبہ بالکل ہی زائل ہو جائے اس میں بڑی ہی لطیف اور صاف اور عقل و فہم کے بالکل ہی قریب کی دلیل ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ وہی ہے جو تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کرتا ہے جسے تم جلاتے ہو۔ پس سبز ہرے بھرے درخت سے آگ جیسی جلا دینے والی چیز کا پیدا کرنیوالا قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے نکالنے سے عاجز ہو جائیگا؟ منکروں کا شبہ یہ تھا کہ موت ٹھنڈی اور خشک چیز ہے اور حیات تر اور حرارت والی چیز ہے۔ جب جسم پر موت طاری ہو گئی تو پھر اس میں حیات کا داخل ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ موت و حیات میں تضاد اور تخالف ہے ان کا یہ شبہ اس دلیل سمیت بہ ظاہر ایسی چیز بن گئی تھی کہ کم عقل لوگ اسے قبول کر لیں لیکن یہ سراسر دھوکا ہے دلیل نہیں اس لئے کہ حیات و موت ایک ہی جگہ جمع ہو نیکے تو قائل ہم نہیں۔ حیات کا آنا موت کا اٹھنا ہے۔ موت و حیات کا جمع ہونا نہیں۔ دیکھئے سبز اور ہرے درخت کا مزاج تر اور سرد ہے اس میں سے اللہ تعالیٰ آگ کو نکالتا ہے جس کی طبیعت حار اور یابس ہے پھر اس سے بڑی اور اس سے بھی واضح دلیل بیان فرمائی کہ میں نے تو آسمان و زمین جیسی تم سے بہت ہی بڑی مخلوق پیدا کر دی ہے ان کی وسعت و عظمت کو دیکھو ان کے مقابلے میں تمہارا ذرا سا وجود حقیقت ہی کیا رکھتا ہے؟ جب اس رب کی قدرت ان کی پیدائش سے عاجز نہیں تو انسان جیسی حقیر مخلوق کی ابتدائی نہیں بلکہ دوبارہ کی پیدائش سے اس کی قدرت کیسے عاجز آ جائیگی؟ پھر اپنے دو اوصاف وہ بیان فرمائے جس کے بعد کسی چیز میں کوئی شک شبہ عقلاً بھی باقی ہی نہ رہے۔ فرمایا وہ خلاق ہے وہ علیم ہے۔ جو چاہے بنائے۔ بگاڑے جو چاہے پیدا کرے جو چاہے فنا کرے کوئی ارادہ پورا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اسے سامان اسباب کی ضرورت نہیں ادھر ارادہ کر کے فرمادیا کہ ہو جا ادھر اس چیز کا وجود ہو گیا۔ اس کے فرمان سے سرتابی کسی کی طاقت میں نہیں۔ ہر چیز اسکی حکم بردار ہے پھر اسی کی مزید وضاحت اور تاکید کے طور پر ارشاد ہوا کہ پاک ہے وہ خدا جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے تم جسے مشکل سمجھ رہے ہو وہ اس کے ماتحت ہے جس طرح کا تصرف جس چیز پر وہ چاہے کرتا رہتا ہے۔ مالک کو اپنی ملکیت کا اختیار ہے اس کے تصرف کو کوئی روک نہیں سکتا ختم سورت پر فرمایا کہ اسی کے پاس تم لوٹائے جاؤ گے جیسے کہ اسی کے پاس سے تم پہلی دفعہ آئے تھے۔ پس ابتداً انتہا شروع اور دوبارہ اسی کی طرف ہے اول و آخر وہی ہے ہر کام ہر شخص ہر چیز تمام مخلوق کی انتہا اسی مالک واحد کی طرف ہے اسی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے کہ انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤنگا پھر زندہ کر کے کھڑا کیا جاؤنگا؟ کیا انسان اسے یاد نہیں کرتا کہ ہمنے اسے اس سے پہلے پیدا کیا ہے جبکہ وہ کوئی چیز ہی نہ تھا۔ تمہیں قسم ہے ذرا ان کلمات پر دوبارہ غور کی نگاہ کر جائیے کس قدر اختصار سے کس قدر فصاحت و بلاغت سے کتنے عمدہ پیرایے میں کس طرح اصل و فرع اور علت و حکم بیان فرما دیا ہے۔ اسی بارے کی یہ آیت بھی ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ جب ہم گلی سڑی ریزہ ریزہ شدہ ہڈیاں بن جائینگے تو پھر بھی ہم نئی پیدائش میں پیدا کئے جائینگے؟ اس کے جواب میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے وہ زبردست دلیل قائم کی کہ ان کے اس اعتراض کی بھوسی اُڑ جائے۔ فرمایا کہ اچھا تم پتھر یا لوہا بن جاؤ بلکہ اس سے بھی کسی سخت سے سخت چیز کی طرف تمہارا خیال پہنچتا ہو وہی بن جاؤ۔ اب یہ کہینگے کہ پھر ہمیں کون لوٹائیگا؟ تو جواب دے کہ وہ جس نے اول دفعہ تمہیں پیدا کیا ہے۔ پس ہڈیوں کا اور بوسیدہ ہڈیوں کا تو چلانا کہاں وہ تو اگر تم پتھر اور لوہا بن جاؤ یا آسمان و زمین بلکہ خود موت بن جاؤ جب بھی تمہیں لوٹا سکتا ہے۔ تم اسی کے پرورش کئے ہوئے ہو تم اسی کے پیدا کئے ہوئے ہو تم اسی کے ماتحت ہو تمہیں اپنے نفس پر کوئی اختیار نہیں اس نے تمہیں ایک چیز سے دوسری اور دوسری سے تیسری چیز بنا بنا کر اس حال میں پہنچایا ہے اب بھی وہ تمہیں اور چیز اور پھر اس سے اور چیز بنانے پر قادر ہے گو تم سخت سے سخت چیز بن جاؤ لیکن اسے عاجز نہیں کر سکتے وہ ہارنے والا نہیں۔ مخلوق اور خالق کا فرق ہے۔ یہ فرمان بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر تو آسمان پر چڑھ جائے تو میں وہاں بھی پہنچونگا۔ پس معنے آیت کے یہ ہوئے کہ گو تم پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ لیکن پھر بھی مجھ میں قدرت ہے کہ تمہیں مار ڈالوں پھر زندہ کر دوں۔ اب ان دونوں معنوں میں ایک لطیف فرق ہو گیا یعنی ایک تو یہ مطلب ہوا کہ اگر تم آپ اپنی حالت کے بدلنے پر قادر ہوتے اور سخت سے سخت چیز بن جاتے جب بھی ہماری قدرت اور ہمارے غلبے سے باہر نہیں تھے۔ پس جبکہ تم اس پر بھی قادر نہیں ہو

کی ہے جو بارش کے ہوتے ہی سرسبز ہو گئی تروتازہ پیداوار مفید نفع بخش اُس نے بہ کثرت پیدا کر دی۔ بارش سے فائدہ اٹھایا اور لہلہا اٹھی۔ اور وحی خدا سے منہ موڑنے والا اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسی میں سے یہ آیت بھی ہے کہ لوگو اگر تمہیں مر کر جی اُٹھنے میں شک ہے تو تم سوچ لو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر لوتھڑے سے جو صورت شدہ ہوتا ہے اور بے صورت کا بھی یہ اس لئے کہ ہم تمہارے لئے ظاہر کر دیں جب تک ہم چاہتے ہیں اُسے ماں کے رحم میں ٹھیرا لیتے ہیں ایک مقررہ مدت تک پھر ہم تمہیں چھوٹے سے بچے بنا کر نکالتے ہیں پھر تم اپنی قوت طاقت کو پہنچتے ہو تم میں سے بعض تو فوت کر دئے جاتے ہیں اور بعض بھوس بڑھاپے تک پہنچ جاتے ہیں کہ بہت کچھ علم والے ہو کر بے علم بن جائیں۔ یعنے تعجب ہے کہ تمہیں مر کر جی اُٹھنے پر شک ہے حالانکہ تم اپنا مخلوقِ خدا ہونا مانتے ہو تمہیں اقرار ہے کہ تم پر بہت سی مختلف حالتیں گذر چکی ہیں۔ دوبارہ کا جی اٹھنا نظیر ہے پہلی دفعہ کی پیدائش کی پس امکان و وقوع میں دونوں چیزیں ایک دوسری کی نظیر ہیں۔ موت کے بعد کا تمہارا اعادہ بھی نئی پیدائش ہے جیسے کہ اُس نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا ہے اور جس کے تم خود قائل ہو پس باوجود ویسی ہی چیز دیکھ لینے کے اُس کے اقراری ہونے کے ویسی ہی ایک چیز سے انکار یہ تو سراسر عقل کے خلاف ہے۔

آخرت کی زندگی کی دلیلیں

اسی مضمون کو قرآن کریم میں ایک اور جگہ نہایت ہی خوش اسلوبی سے بہترین عبارت کیساتھ مختصر الفاظ میں کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ خود گردن جھک جائے اور دل میں اتر جائے چنانچہ سورۂ واقعہ میں ہے بتلاؤ تم جو خاص پانی ٹپکاتے ہو اُسے پیدا کرنے والے تم ہو یا ہم ہیں؟ ہم نے ہی تو تم میں موت کو مقرر کیا ہے ہم اس سے پیچھے نہیں کہ تم جیسوں کو بدل دیں اور تمہیں اس صورت میں پیدا کر دیں جس کا تمہیں علم بھی نہیں۔ اس پہلی مرتبہ کی پیدائش سے کیا تمہیں دلیل نہیں ملتی؟ پس یہاں بھی پہلی دفعہ کی پیدائش کو دوبارہ کی پیدائش کی دلیل بنایا فرمایا کہ اگر یہ سوچتے اور عقل کو کام میں لاتے تو یقیناً اس نتیجے پر بآسانی پہنچ جاتے کہ جیسے پہلی مرتبہ کا پیدا کرنا خدائے قدیر کی قدرت کے ماتحت تھا ایسے ہی دوسری دفعہ کی پیدائش بھی اُس کی قدرت کے ماتحت ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ قدرت دونوں پر شامل ہے۔ ان دونوں پیدائشوں کو آیت وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الخ میں اور آیت اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً الخ میں اور آیت وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا الخ میں بھی جمع کیا ہے۔ سورۂ یاسین کی آخری آیتیں دس دلیلوں پر شامل ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ جو فرمایا کہ کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا ہے اُس میں اس کی پہلی پیدائش کو بیان فرمایا کہ اس کی دوبارہ کی پیدائش پر دلیل بنے۔ پھر دوسری آیت میں فرمایا کہ اگر یہ اپنی پہلی پیدائش کو سامنے رکھتا تو اسے ایسی فضول چیزیں بیان کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی چونکہ اپنی پہلی مرتبہ کی پیدائش کو ذہن سے نکال دیتا ہے۔ ایسی ایسی بیہودہ مثالیں بیان کرنے لگتا ہے پس نَسِيَ خَلْقَهٗ میں ہی نہایت لطیف جواب اُس کے اعتراض کا تو آ گیا اور زبردست دلیل قائم کر دی اس کی بالکل ایسی مثال سمجھیے کہ ایک شخص نے دوسرے کو کپڑے پہنائے گھر دیا مال دیا اب وہ اُس کے سامنے اُسی گھر میں وہی کپڑے پہنے ہوئے کہتا ہے کہ آپ نے مجھے کچھ نہیں دیا تو وہ بطور شکایت کہتا ہے کہ لو میاں اور سنو میرے ہی کپڑے پہنے ہوئے میرے ہی دئے ہوئے گھر میں کھڑے ہوئے میرا ہی مال جیب میں رکھ کر میرے احسان کا انکار کر رہا ہے۔ ایسا پاک صاف جواب دیکر اتنا واضح ثبوت پیش کر کے جس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں اور جس کا انکار کوئی [illegible] نہیں سکتا۔ پھر مزید وضاحت کر کے فرماتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہ خدا زندہ کر دیگا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کی ہیں۔ پس یہ جواب اور [illegible] استدلال انکار کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے والا ہے۔ پھر اپنے علم کی وسعت بیان فرما کر اس کی اور زیادہ تاکید کر دی کہ تمام مخلوق اُس کے علم میں ہے اُس کا علم محیطِ کل ہے دوبارہ کی پیدائش اُس پر مشکل ہو جس کی قدرت [illegible] یا علم میں کمی ہو اور اللہ تعالیٰ کی تو قدرت بھی کامل ہے اور اُس کا علم بھی سب کو شامل ہے ہر پیدائش کا وہ عالم ہے زمین و آسمان کی پیدائش اُس کی قدرت کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے۔ وہ تو جب بھی جس کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرے فرما دیتا ہے کہ ہو جا اُسی وقت وہ ہو جاتا ہے اُسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے نہ اُس کی قدرت میں کمی نہ اُس کے علم میں کمی جب وہ تمہاری پہلی پیدائش سے عاجز نہ ہوا جب آسمان و زمین کی پیدائش اُسے عاجز نہ کر سکی تو تمہیں مار ڈالنے کے بعد زندہ کر دینا اُس پر کیا گراں گذرے گا؟ پھر ایک اور دلیل بیان

سیکھ رہا تھا اُس کے فوت ہونے پر رونا آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان و علم اپنی اپنی جگہ ہیں ان کا تلاش کرنے والا ان کو پا ہی لیتا ہے۔ علم ان چار شخصوں سے حاصل کرو اگر یہ بھی کسی مسئلے میں عاجز آجائیں تو اور ساری دنیا ان سے بہت زیادہ عاجز ہے پھر ایسے موقعے پر تو تو خدا کے سامنے ہی جھک جو ابراہیمؑ کا سکھانے والا ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس مسئلے میں میں عاجز آجاتا تو اپنی دُعا میں یہی کہتا کہ اے خدا اے ابراہیم علیہ السّلام کے معلّم۔ عبداللہ فرماتے ہیں ساری زمین کے علماء تین ہیں ایک تو شام میں ایک کوفے میں ایک مدینے میں۔ شامی اور کوفی مدنی کے محتاج ہیں اور مدنی ان سے کچھ نہیں پوچھتا شعبیؒ فرماتے ہیں تین ہیں جو ایک دوسرے سے پوچھتے رہتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت عبداللہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ یہ آپس میں ایک دوسرے سے تحقیق کرلیا کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یہ تینوں آپس میں ایک تھے اور ایک دوسرے سے اپنی معلومات بڑھاتے رہتے تھے۔ حضرت شعبیؒ سے شیبانی رحنے دریافت کیا کہ کیا حضرت ابوموسےٰؓ اس درجے کے تھے؟ آپنے فرمایا وہ تو بہت بڑے پایے کے عالم تھے۔ میں نے کہا آپ معاذؓ کو نہیں گنتے؟ آپنے فرمایا وہ تو اس سے پہلے ہی رحلت فرما چکے۔ حضرت علیؓ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت سوال ہوا تو آپنے فرمایا وہ قرآن کے قاری ہیں وہ حدیث کے عالم ہیں یہی اُنہیں کافی ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی نسبت فرمایا تمام صحابیوں سے زیادہ منافقین کو یہی جانتے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ کی نسبت فرمایا وہ تو علم کے بھرپور برتن ہیں۔ حضرت عمارؓ کی نسبت فرمایا وہ مومن ہیں بھولنے والے جب تم اُنہیں یاد دلاتے ہو تو یاد آجاتا ہے۔ انکے گوشت پوست میں ایمان مل گیا ہے۔ آگ کا اون میں کوئی حصہ نہیں۔ حضرت ابوموسیٰؓ کی نسبت سوال ہوا تو فرمایا وہ تو علمی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا اور سلمان؟ فرمایا اُس نے تو اگلا پچھلا علم جمع کرلیا ہے وہ ایک ناپیدا کنار دریائے علم ہے۔ وہ ہم میں سے اہلبیت میں سے ہیں۔ لوگوں نے کہا اب اے امیرالمومنین آپ خود اپنی نسبت فرمایئے آپ نے فرمایا اچھا تو معلوم ہوتا ہے تمہارا اصلی سوال یہی تھا سنو میں جب سوال کرتا تھا دیا جاتا تھا۔ اور جب چپکا رہتا تھا تو ادھر سے ابتدا ہو جاتی تھی۔ امام مسروقؒ فرماتے ہیں اصحاب رسولؐ کا علم چھ بزرگوں کی طرف منتہی ہے علی۔ عبداللہ۔ عمر۔ زید بن ثابت۔ ابودرداء۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم۔

پھر ان چھ کو جہاں تک میں نے ٹٹولا ان کا منتہا دو شخصوں کی طرف پایا حضرت علی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما مسروق فرماتے ہیں میں صحابہ کی مجلسوں میں بیٹھا میں نے اُنہیں چھوٹے بڑے حوضوں کی طرح پایا۔ کوئی حوض ہے جس سے ایک ہی سوار آسودہ ہو کوئی ہے جو دو سوار آسودہ کرسکے کوئی ہے جو دس کو آسودہ کردے۔ اور کوئی ایسا اور اتنا بڑا بھی ہے کہ اگر ساری دنیا کے لوگ آئیں تو وہ بھی آسودہ ہو جائیں۔ حضرت عبداللہؓ ایسے ہی زبردست حوض ہیں شعبی کا قول ہے کہ لوگ جب کسی مسئلے میں مختلف ہوں تو تم وہ لے لو جو عمر رضی اللہ عنہ فرمائیں۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں علم کے دس حصوں میں سے نو صرف عمرؓ کے پاس ہیں۔ فرماتے ہیں اگر ترازو کے ایک پلڑے میں صرف حضرت عمرؓ کا علم رکھا جائے اور دوسرے میں تمام دُنیا کا تب بھی حضرت عمرؓ کے علم کا پلڑا وزنی رہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں گویا کہ لوگوں کا علم حضرت فاروق کے علم میں سما گیا ہے شعبی کا قول ہے کہ اس امّت کے قاضی حضرت عمرؓ اور حضرت علی ہیں اور حضرت زید ہیں اور حضرت ابوموسیٰ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم ابوسعید کہتے ہیں حضرت عمرؓ ایسے حادثوں سے پناہ مانگتے تھے جس میں حضرت ابوحسن یعنے حضرت علی موجود نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے عالم ہونے کی خبر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور جن چار شخصوں سے قرآن لینے کو فرمایا اُن میں سب سے پہلے انہی کا نام ہے فرمان ہے چار شخصوں سے قرآن لو ابن ام عبد اُبی بن کعب۔ سالم مولیٰ ابوحذیفہ اور معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہم اجمعین) اہل کوفہ جب دربار فاروق میں آئے آپنے اُنہیں انعام اکرام کیساتھ رخصت کیا لیکن اُنسے زیادہ شامیوں کو دیا پھر کوفیوں کے اعتراض پر آپنے فرمایا اس فضیلت کو تمنے دیکھ لیا اور اس بات پر غور نہیں کرتے کہ میں نے تمہیں عبداللہ بن مسعودؓ کو دے رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ ہیں بھی دور والے۔ عقبہ بن عمرو نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اُترا ہے اُس کا جاننے والا حضرت عبداللہؓ سے زیادہ کوئی نہیں۔ یہ سنکر حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا ٹھیک ہے جب ہم نہیں سنتے تھے وہ سنتے رہتے تھے اور جب ہم نہیں جاسکتے تھے وہ چلے جاتے تھے۔ خود حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ جو سورت اُتری ہے میں جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں اُتری ہے اگر میرے علم میں کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی ہوتا تو خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہوتا میں ضرور جا کر اُس سے ملتا۔ زید بن وہب کہتے ہیں میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو حضرت عبداللہ آگئے آپ اُن کے قریب گئے اور

تو پھر تو بطورِ اولیٰ ہمارے ماتحت ہو جو ہم چاہیں کریں۔ دوسرا مطلب یہ ہوا کہ اگر تم سچ مچ ایسے ہی بن جاؤ تو ہم اس صورت میں بھی تمہاری موت و زیست پر قادر ہیں۔ دراصل یہ دلیل وہ ہے جس میں کسی قسم کا شک شبہ واقع نہیں ہو سکتا عقلِ سلیم اور انسانِ فہیم کو بجز اسکے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کے اور کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ جب اس جواب نے انہیں لاجواب کر دیا تو اب اُنہوں نے جھٹ سے دوسرا سوال جڑ دیا کہ ہمیں لوٹائیگا کون؟ اب اسے خواہ سوال سمجھئے خواہ انکار بہرصورت یہ اُن کی اعلیٰ درجے کی سرکشی ہے تاہم اسکا بھی نہایت معقول اور مسکت جواب دیا کہ تمہیں وہ لوٹائیگا جس نے اول مرتبہ تمہیں بنایا ہے۔ جب اس بارے میں بھی انہیں پیچھے ہٹنا پڑا تو سر تو جھک گئے دل تو ہار گئے لیکن بات بنانے کے لئے ایک سوال اور بھی لڑھکا دیا کہ یہ ہوگا کب؟ جواب ملا کہ ابھی بہت ہی جلد عنقریب۔ ایک عاقل شخص ان جوابوں سے اس طریقِ استدلال سے کسقدر لطف اندوز ہوتا ہے کہ یہ دلیل اور اسکا استلزام اپنے مدلول کے ساتھ کسقدر چسپاں ہے یہ سوالات اور ان کے بلیغ و فصیح و انضح اور کھلے ہوئے صاف صاف جوابات کس طرح ذہن کو تیز دل کو مسرور اور آنکھوں کو پُر نور بناتے ہیں۔ آہ! افسوس اُن لوگوں پر جو قرآن کے معنی مطالب پر غور و فکر نہیں کرتے۔ اپنی ذہنی تراش خراش پر اور اپنی عقلی رفتار پر اور اپنی فکر کے گھوڑوں پر سوار پھرتے ہیں۔

قیاسِ دلالت کی اور مثالیں

ایسی ہی اور آیت سنئے فرمان ہے تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک اور غیر آباد پڑی ہے جب ہم نے اُس پر پانی برسایا وہ بل چل کر بڑھا اور پھول کر طرح طرح کی تر و تازہ جوڑ جوڑ چیزیں اُگانے لگی۔ یاد رکھو اللہ تعالےٰ حق ہے وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یقین مان کہ قیامت بے شک و شبہ آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ قبروں کے مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور آیت میں فرمایا ہے کہ زمین کو تو جھکی جھکائی دیکھتا ہے پھر ادھر ہمنے بارش برسائی ادھر وہ تر و تازہ ہو کر پھل پھول گئی۔ اسے زندہ کرنے والا ہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ قادر و قیوم نے اُجڑی ہوئی مُردہ زمین کے جِلانے کو مردہ انسانوں کے زندہ کرنے کی نظیر بنائی زمین سے پیداوار کے نکالنے کو قبروں سے مردوں کے نکالنے کی نظیر ٹھیرائی اور نظیر سے نظیر کی دلیل دی۔ اس سے پانچ مطلب اور ثابت کئے۔ خدائے[۱] تعالیٰ جو ہر چیز کا خالق مالک ہے اُس کے وجود کی دلیل اور یہ کہ وہ حقِ مبین ہے۔ اُس کی ذات کمال و قدرت ارادے حیات علم رحمت اور افعال والی ہے۔ [۲] وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ [۳] ہر چیز پر عام طور پر وہ قدرت رکھتا ہے۔ قیامت[۴] کا آنا یقینی ہے۔ مُردے[۵] اُسی طرح قبروں سے نکلیں گے جیسے زمین سے درخت اور نباتات وغیرہ۔ حکمت و نور والے قرآنِ کریم نے اس دلیل کو کئی ایک جگہ بیان فرمایا ہے اسلئے کہ اسکے مقدمات بالکل صحیح ہیں اس کی دلالت بہت صاف ہے۔ یہ ہر ذی عقل کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے ہر قسم کے معارضے اور شبے سے یہ پاک اور بالاتر ہے اسی لئے یہ وعظ نصیحت کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ فرمان ہے زمین کو ہمنے پھیلا دی ہے اس میں ہر قسم کے رونق دار جوڑے اُگا دئیے ہیں جو منظر اور نصیحت ہے ہر اُس بندے کیلئے جو اپنے پروردگار کیطرف جھکنے والا ہو۔ ایسا شخص اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور نصیحت حاصل کر کے اُسے نگرانی کرتا ہے پس یاد اور نصیحت دیکھنے اور نظر ڈالنے سے پیشتر ہوتی ہے گو لفظوں میں اس پر مقدم ہے جیسے فرمان ہے کہ پرہیزگار لوگوں کو جب شیطانی ایذا پہنچتی ہے تو وہ یاد کر کے اُسی وقت آنکھیں کھول لیتے ہیں تذکّر تفعّل کے وزن پر ذکر کا مصدر ہے پس مذکور کی صورت کا تصور دل میں لانا بھی تذکر ہے۔ جب وہ دل میں آتی ہے اور خوب جم جاتی ہے تو اب آنکھیں کھلتی ہیں اور اب وہ چیز اُسکے لئے تبصرہ اور ذکری ہو جاتی ہے۔ ہدایت کا دارومدار انہی دو چیزوں پر ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے انسان کو پہلے اپنی پیدائش کی ابتدا کی طرف نظر کرنے کو فرمایا اپنی روزی کے دیکھنے کو فرمایا۔ پھر اس سے قیامت پر اپنے دوبارہ لوٹنے پر اور رسولوں کی خبروں کی تصدیق پر استدلال کرنے کو فرمایا۔

صُلب و ترائب کی صحیح تفسیر

ارشاد ہے کہ انسان دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینوں کے درمیان سے نکلتا ہے اللہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے۔ جسدن کہ پوشیدگیاں کھل پڑینگی۔ لفظ یخرج باب یہی ہے وہ فاعل بمعنی مفعول نہیں ہے جیسے کہ بعض حضرات کا خیال ہے۔

عمرؓ کے اقوال لے لے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جب لوگوں میں اختلاف پاؤ تو حضرت عمرؓ نے کیا کہا ہے اُسے دیکھو اور پھر اُسی کو لیلو۔ ابن المسیبؒ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بڑا عالم میں تو کسی کو نہیں جانتا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں لوگ اگر کسی وادی اور تناخ میں چلیں اور حضرت عمرؓ کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں تو حضرت عمرؓ والی وادی اور گھاٹی میں چلونگا۔ بعض تابعین سے مروی ہے کہ فقہاء حضرت عمرؓ کے سامنے بچے معلوم ہوتے تھے جن سب پر آپ علم و فقہ میں چھا جاتے تھے۔ امام محمد بن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس کے ساتھیوں نے اُسکے فتوے اور فقہی مسائل کے مذہب کو تحریر کیا ہو یہ اپنے مذہب و قول کو حضرت عمرؓ کی مخالفت کیوقت چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اور عمومًا اُن کے کسی قول کا خلاف نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے قول سے رجوع کر کے آپ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ قنوت نہیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر عمرؓ قنوت پڑھتے تو عبداللہ بھی پڑھتا **فصل**۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مفتیوں میں تھے۔ ہاں بقول امام ابن جریر اُن کے اصحاب ایسے مشہور و معروف نہ تھے۔ حضرت عمرؓ کے فتوے اور مذہب اور احکام کے مبلغ اور انہیں پہنچانے والے بہ نسبت حضرت عثمانؓ کے بہت زیادہ تھے۔ رہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیشک آپ کے احکام اور فتاوے بہت ہی پھیل گئے لیکن اللہ تعالیٰ شیعوں کو غارت کرے کہ انہوں نے آپ پر جھوٹ باندھ باندھ کر آپ کے اکثر علم کو بگاڑ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام آپ کی حدیثیں اور فتوے وہی لیتے ہیں جو آپ کے اہل بیت سے اور عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے مروی ہوں۔ جیسے عبیدہ سلمانی اور شریح اور ابو وائل وغیرہ اسی لئے خود آپ کو علم کے نہ لینے والوں کی شکایت ہی رہی فرماتے تھے کہ یہاں علم ہے لیکن کاش کہ اُس کے حاصل کرنے والے ہوتے۔ **فصل**۔ دین اور فقہ اور علم اس امت میں پھیلانے والے شاگردانِ ابن مسعودؓ اور شاگردانِ زید بن ثابتؓ اور شاگردانِ عبداللہ بن عمرؓ اور شاگردانِ عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین پس عام طور پر سب کا علم ان چاروں بزرگوں کے ساتھیوں سے ہے۔ اہل مدینہ کا علم زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھیوں سے ہے اہل مکہ کا علم عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھیوں سے ہے۔ اور اہل عراق کا علم عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں سے ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ ابن عمرؓ اور مدینے شریف میں جو صحابہ آپ کے بعد زندہ رہے تھے وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مذاہب پر اور جو اُن سے سیکھا تھا اُس پر فتوی دیتے تھے جس بارے میں اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یاد نہ ہوتی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے جابیہ کے خطبے میں فرمایا جو شخص میراث کے مسائل دریافت کرنا چاہے وہ زید بن ثابت کے پاس جائے اور جو فقہ پوچھنا چاہے وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے اور جو مال کا ارادہ رکھتا ہو میرے پاس آئے۔ باقی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ کچھ شک نہیں کہ آپ علم و فرائض و احکام کا حلال و حرام کا مقدمہ تھیں۔ اُن سے سیکھنے پڑھنے والوں کا یہ حال تھا کہ وہ گویا اون کے اقوال سے ادھر اُدھر ہو جانے کے قریب بھی نہیں ہیں۔ ان سے فقہ حاصل کرنے والے انکے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ ہیں اور ان کے بھانجے حضرت اسماؓ کے بیٹے حضرت عروہ بن زبیرؓ ہیں مسروق کہتے ہیں میں نے بڑے بڑے فضیلت والے بزرگ صحابہ کو دیکھا کہ میراث کے مسائل آپ سے دریافت کرتے۔ عروہ بن زبیرؒ کا بیان ہے کہ میں نے تو حضرت عائشہ رضؓ کی مجلس سے زیادہ بہتر فیصلوں کے علم کی اور جاہلیت کی باتوں کے علم کی اور شعر کے علم کی اور میراث کے مسئلوں کے علم کی اور طب کے علم کی کوئی اور مجلس نہیں پائی **فصل** پھر فتوی دہی کا منصب ان کے شاگردوں میں آیا۔ جیسے حضرت سعید بن مسیبؒ جو حضرت عمرؓ کے علم کی مشک تھے۔ عراک بن مالکؒ سے سوال ہوا کہ مدینہ میں سب سے بڑا فقیہہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا سب سے بڑھکر فقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے تینوں خلیفوں کے فیصلے کا سب سے بڑا عالم اگلے لوگوں کی روش کا پورا علم رکھنے والے حضرت سعید بن مسیب ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔ ہاں سب سے نایاب حدیثوں والے حضرت عُروہ بن زبیر ہیں۔ اور عبیداللہ کے علم سے تو اگر تم چاہو سمندر بہا سکتے ہو۔ عراک فرماتے ہیں ان سب میں بڑے فقیہ میرے نزدیک تو ابن شہاب ہیں۔ اس لئے کہ ان سب کا علم ان کے پاس جمع تھا۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ میں تین شخصوں سے علم طلب کیا کرتا تھا سعید بن مسیبؒ جو سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ اور عروہ بن زبیر سے جو علم کے سمندر تھے جس کے پانی کو بہت سی ڈولوں کا بھرا جانا گدلا نہیں کر سکتا۔ اور عبیداللہ سے جن کے پاس علم کے ایسے طریق تھے جو تو کسی اور کے پاس ڈھونڈھنے سے بھی نہیں پا سکتا تھا۔ اعمشؒ کہتے ہیں مدینہ شریف کے فقہاء چار تھے سعید بن مسیب عروہ قبیصہ

سر جھکا کر کچھ باتیں کیں پھر آن کر فرمانے لگے یہ تو علم کا بھرا ہوا برتن ہے۔ ابراہیم کی یہ حالت تھی کہ وہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ کے قول کے برابر کسی کے قول کو نہیں گنتے تھے ان دونوں کا اتفاق ہو تو تو بس ہو چکا۔ اور اختلاف کے وقت حضرت عبداللہؓ کے قول کو زیادہ پسند فرماتے تھے کیونکہ وہ زیادہ نرم ہوا کرتا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ کی ایک مجلس میرے نزدیک ایک سال کے عمل سے زیادہ وثوق والی ہے آیت حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن بریدہ کا قول ہے کہ مراد اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت مسروقؒ سے کہا گیا کہ حضرت عائشہؓ فرائض کو خوب حل کر لیتی ہیں تو کہا ہاں میں نے تو بڑے بڑے بزرگ صحابہ کو فرائض کے بارے میں انہی سے سوال کرتے دیکھا ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مسئلہ الجھ جاتا ہم اس کا علم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ضرور پاتے۔ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ جانتے تھے کہ ان میں سب سے زیادہ احکام حج کے عالم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان سے کم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں۔ اصحاب رسولؐ جب آپس میں کوئی علمی مذاکرہ کرتے اور وہاں حضرت معاذؓ ہوتے تو سب کی نظریں ہیبت کے ساتھ ان کے چہرے پڑتیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ میں علم بھر دیا گیا ہے پھر مہر لگا دی گئی ہے کہ نکل نہ جائے۔ مسروقؒ فرماتے ہیں مدینے آن کر میں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو مضبوط عالموں میں پایا۔ ابوتمیمہ کہتے ہیں ہم شام پہنچے تو ایک شخص کے پاس لوگوں کا ہجوم دیکھا پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا اب ان سے بڑھ کر کوئی سمجھدار صحابی باقی نہیں رہا یہ حضرت عمرو بکالی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا علم اس طرح جاتا رہتا ہے۔ میمون بن مہران کے پاس جب ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کا ذکر ہوتا تو فرماتے ابن عمرؓ پرہیزگاری میں اور ابن عباسؓ علم میں یکتا تھے کہتے ہیں ابن عمر سے زیادہ سمجھدار اور ابن عباس سے زیادہ عالم میری نگاہ سے تو اور کوئی نہیں گذرا۔ ابن سیرینؒ دعا کرتے تھے کہ خدایا جب تک تو ابن عمرؓ کو باقی رکھے مجھے بھی زندہ رکھنا کہ میں ان کی اقتدا کرتا رہوں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر دعا کی کہ باری تعالیٰ اسے حکمت سکھا دے اور قرآن کی تفسیر بھی۔ آپ کے انتقال پر امام محمد بن حنفیہ نے فرمایا اس امت کا ربانی انتقال کر گیا۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں میں نے تو سنت کا اتنا بڑا عالم ایسی عمدہ رائے والا ایسی گہری نظر والا ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسا اور کوئی دیکھا ہی نہیں۔ ان سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ادھر ادھر کے پیچیدہ امور کے لئے تو آپ ہی مخصوص ہیں۔ حضرت عطا بن ابی رباح کا قول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مجلس سے زیادہ بزرگ اور زیادہ سمجھدار اور بڑی مجلس میں نے تو کوئی نہیں دیکھی اصحاب فقہ اصحاب قرآن اصحاب شعر سب انکے پاس آتے اور کشادہ دلی سے وسعت کیساتھ ان کے پاس سے واپس لوٹتے۔ خود حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سے جب حضرت عمر بن خطابؓ کسی علمی مسئلے کو دریافت فرماتے تو مجھ سے بھی ضرور دریافت فرما لیا کرتے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہماری عمروں کو پا لیتے تو کوئی بھی ان کی مخالفت نہ کرتا۔ مکحول کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ یہ علم آپ کو کیسے حاصل ہوا؟ آپنے فرمایا بکثرت سوال کرنے والی زبان اور سمجھنے والے دل کی وجہ سے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں حضرت ابن عباسؓ کو بوجہ کثرت علم سمندر کہا جاتا تھا حضرت طاؤسؒ کا بیان ہے کہ تقریباً پچاس صحابیوں کو میں نے دیکھا کہ جب وہ ابن عباسؓ کا خلاف کرتے تو آپ انہیں مناظرے میں قائل کر ہی دیتے۔ طاؤسؒ سے پوچھا گیا کہ آپنے تو بہت صحابہ کو پایا پھر ابن عباس ہی کا پلہ تھام لینے پر قناعت کیوں کی؟ آپنے جواب دیا اسلئے کہ میں نے ستر صحابہ کو دیکھا کہ جب وہ کسی مسئلے میں اختلاف یا شک کرتے تو آخر ابن عباسؓ ہی سے فیصلہ کراتے ابن نجیح فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے ساتھی کہا کرتے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر سے حضرت علی سے حضرت عبداللہ سے بھی زیادہ عالم تھے تو لوگ انہیں گھیر لیتے یہ کہتے جلدی نہ کرو سنو ان سب بزرگوں میں سے ہر ایک کو ایک علم حاصل تھا جو دوسرے کو نہ تھا۔ لیکن ابن عباسؓ ان تمام علوم کے جامع تھے۔ اعمشؒ فرماتے ہیں جب تو ابن عباس کو دیکھے تو بیساختہ تیری زبان سے نکل جائے کہ یہ بہت ہی جمیل شخص ہیں اور جب تو انکا کلام سنے تو بیساختہ تیری زبان سے نکلجائے کہ یہ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں۔ اور جب ان کی علمی گفتگو سنے تو تو لامحالہ کہہ اٹھیگا کہ یہ تمام لوگوں سے بڑے عالم ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جب ابن عباسؓ کی زبان سے تفسیر قرآن سنتا تو ایسا معلوم ہوتا گویا ان پر نور برس رہا ہے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں جسے فیصلوں کا وثیقہ لینا ہو وہ حضرت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا تھا۔ عمرو بن میمون اودی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ملے تھے۔ ان کے پاس رہے تھے ان سے علم حاصل کیا تھا پھر بوقت انتقال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں وصیت کی تھی کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چلے جائیں اور ان سے دین سیکھیں۔ آپ نے اسی وصیت پر عمل بھی کیا۔ ان بزرگوں کے ساتھ یہ نام بھی اضافہ کئے جانے کے قابل ہیں ابو عبیدہ اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جنہوں نے ایک سو بیس صحابہ سے علم حاصل کیا تھا۔ اور میسرہ اور زاذان اور ضحاک پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی عامر شعبی سعید بن جبیر قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود ابوبکر بن ابی موسیٰ محارب بن دثار حکم بن عتیبہ جبلہ بن سحیم جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے صحبت یافتہ تھے۔ پھر ان کے بعد حماد بن ابی سلیمان۔ سلیمان بن معتمر۔ سلیمان اعمش۔ مسعر ثوری ابو حنیفہ حسن بن صالح بن حی۔ ان کے بعد حفص بن غیاث۔ وکیع ابن جراح اور اصحاب ابی حنیفہ جیسے ابو یوسف قاضی زفر بن ہذیل حماد بن ابی حنیفہ حسن بن زیاد لؤلؤی رقہ کے قاضی عافیہ قاضی اسد بن عمر۔ نوح بن دراج قاضی اور اصحاب سفیان ثوری جیسے اشجعی۔ معافی بن عمران۔ اور حسن بن حی کے دونوں ساتھی زولی اور یحییٰ بن آدم۔

فصل ۔ شام کے مفتی یہ حضرات ہیں۔ ابو ادریس خولانی۔ شرحبیل بن سمط۔ عبداللہ بن ابی زکریا خزاعی۔ قبیصہ بن ذریب خزاعی حیان بن امیہ۔ سلیمان بن حبیب محاربی۔ حارث بن عمیرہ زبیدی۔ خالد بن معدان۔ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری۔ جبیر بن نفیر۔ پھر انکے بعد عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر۔ مکحول۔ عمر بن عبدالعزیز۔ رجا بن حیوہ۔ عبدالملک بن مروان کا بھی ولایت سے پہلے مفتیوں میں شمار ہوتا تھا اور حدیر بن کریب۔ پھر ان کے بعد یحییٰ بن حمزہ قاضی۔ ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمر اوزاعی۔ اسماعیل بن ابی المہاجر۔ سلیمان بن موسیٰ اموی۔ سعید بن عبدالعزیز۔ پھر مخلد بن حسین۔ ولید بن مسلم۔ عباس بن زید اوزاعی کے ساتھی۔ شعیب بن اسحٰق ابو حنیفہ کے ساتھی۔ ابو اسحٰق فزاری ابن المبارک کے شاگرد۔

فصل اہل مصر کے مفتیوں کے نام یہ ہیں۔ یزید بن ابی حبیب۔ بکیر بن عبداللہ بن اشج۔ ان کے بعد عمرو بن حارث۔ ان کی تعریف میں ابن وہب کہتے ہیں اگر وہ زندہ رہتے تو ہمیں مالک رحمہ اللہ وغیرہ کی حاجت نہ پڑتی۔ اور لیث بن سعد اور عبیداللہ بن ابی جعفر۔ ان کے بعد۔ امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد جیسے عبداللہ بن وہب عثمان بن کنانہ اشہب ابن القاسم۔ لیکن بہ زیادہ تر امام مالک کی تقلید کے خوگر تھے بہت کم مسائل میں اُن کی تقلید چھوڑی تھی۔ پھر امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد جیسے مزنی بویطی ابن عبدالحکیم۔ پھر اُن پر امام مالک کی اور امام شافعی کی تقلید چھا گئی تھی اور بہت کم لوگ تھے جو اپنے خداداد اختیارات کو کام میں لاتے تھے اور مسائل کو پسند فرماتے تھے۔ جیسے محمد بن علی بن یوسف اور ابو جعفر طحاوی۔ قیروان بن سحنون بن سعید تھے جو اکثر باتوں میں اختیار کرتے تھے اور مسائل چھانٹ کر لیا کرتے تھے۔ سعید بن محمد حدادی انہی کے قریب قریب تھے۔ ایسے ہی ذی اختیار حضرات اُندلس میں بھی تھے جیسے یحییٰ بن یحییٰ۔ عبدالملک بن حبیب۔ بقی بن مخلد۔ قاسم بن محمد صاحب الوثائق جن کے فتوے ہیں تو سہی مگر بہت کم۔ اسی طرح مسلمہ بن عبدالعزیز قاضی اور منذر بن سعید۔ امام ابو محمد کہتے ہیں وہ صفت جو اپنے موصوف کی گنتی کرا دیتی ہے مسعود بن سلیمٰن یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر میں تھی۔

فصل یمن میں مطرف بن مازن قاضی صنعا تھے اور عبدالرزاق بن ہمام اور ہشام بن یوسف اور محمد بن ثور اور سماک بن فضل تھے رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فصل شہر سلام میں بھی بہت سے مفتی تھے۔ جب اسے منصور نے بنایا تو بہت سے فقہا اور محدثین یہیں آ گئے تھے یہاں اعیان مفتی ابو عبید قاسم بن سلام تھے علم و ادب اور جلالت و عظمت کے پہاڑ تھے۔ اور ابو ثور ابراہیم بن خالد کلبی تھے جو امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے آپ کی خدمت میں رہے تھے اور آپ سے علم سیکھا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ آپ کی عزت کرتے تھے اور فرماتے تھے یہ تو ثوری کے ہتھیاروں میں ہیں یہیں اہل سنت کے علی الاطلاق امام حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ تھے جنہوں نے زمین کو علم سے حدیث سے اور سنت سے بھر دیا تھا۔ یہانتک کہ آپ کے بعد کے کل ائمہ حدیث و سنت قیامت تک آپ ہی کے تابعدار رہیں۔ اللہ آپ سے راضی رہے۔ آپ کو تصنیف سے بہت دوری تھی۔ حدیثوں کو بالکل الگ تھلگ رکھنا چاہتے تھے۔ اپنے کلام کے لکھے جانے کو بہت مکروہ سمجھتے تھے اور اس پر بڑی سختی کرتے تھے۔ آپ کی خوش نیتی اور نیک نفسی کی خدا کے ہاں قدر ہوئی اور آپ کے کلام اور آپ کے فتاوے کئی کتابوں سے بھی زیادہ ہیں لکھے گئے۔ الحمدللہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل سے سوائے بہت ہی کم کے باقی سب ہمیں مل گیا ہے۔ خلال نے جامع کبیر میں آپ کی نصوص جمع کی ہیں جو بیس جلدوں میں ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آپ کے مسائل

عبدالملک۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں جب عبادلہ کا یعنے حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا انتقال ہوگیا تو ہر جگہ فقہ کے مالک موالی ہو گئے۔ اہلِ مکّہ کے فقیہ عطاؒ بن ابی رباح تھے۔ اہلِ یمن کے فقیہ طاؤس تھے۔ اہلِ یمامہ کے فقیہ یحییٰ بن ابی کثیر تھے اہلِ کوفہ کے فقیہ ابراہیم تھے اہلِ بصرہ کے فقیہ حسن تھے اہلِ شام کے فقیہ مکحول تھے اہلِ خراساں کے فقیہ عطا خراسانی تھے۔ ہاں صرف مدینہ شریف تھا کہ اسے خصوصیت حاصل تھی۔ یہاں کے فقیہ سعید بن مسیّب جیسے قریشی تھے جن کی بات کوئی نہیں ٹالتا تھا۔ ایکمرتبہ حضرت سعید بن مسیّب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے سلام کرتے ہوئے نکل گئے تو آپنے اپنے ساتھیوں کیطرف توجہ فرماکر فرمایا کہ اگر اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو بہت مسرور ہوتے۔ یہ فرماتے ہوئے خوب ہاتھ اُٹھاکر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جب انہیں دیکھتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں جنّت کے بازاروں میں جمع کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن المسیّبؒ ابو ہریرہ سے بہت سی روایات لی ہیں۔ مدینے شریف کے تابعی مفتیوں کے نام یہ ہیں ابن المسیّب عروہ بن زبیر قاسم بن محمد خارجہ بن زید ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سلیمان بن یسار عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود یہ سب بزرگ بڑے پایے کے فقیہ تھے نظم میں ان کے نام یہ ہیں۔ ؎

اِذَا قِیْلَ مَنْ فِی الْعِلْمِ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ ؛ رِوَایَتُھُمْ لَیْسَتْ عَنِ الْعِلْمِ خَارِجَۃٌ
فَقُلْ ھُمْ عُبَیْدُ اللّٰہِ عُرْوَۃُ قَاسِمٌ ؛ سَعِیْدٌ اَبُوْبَکْرٍ سُلَیْمَانُ خَارِجَۃٌ

انکے علاوہ یہ حضرات بھی مفتی تھے۔ ابان بن عثمان۔ سالم۔ نافع۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف۔ علی بن حسین۔ ان کے بعد یہ بزرگ تھے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم۔ ان کے دونوں لڑکے محمد اور عبداللہ۔ اور عبداللہ بن عمر بن عثمان اور ان کے لڑکے محمد۔ اور عبداللہ اور حسین بن محمد بن حنفیہ۔ اور جعفر بن محمد بن علی۔ اور عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ اور محمد بن منکدر اور محمد بن شہاب الزہری۔ امام محمد بن نوح نے آپ کے فتاوے تین ضخیم کتابوں میں فقہی ترتیب کے ابواب پر شائع کئے ہیں۔ ان کے سوا بھی اور بہت سے لوگ مفتی تھے

فصل مکہ شریف میں مفتی یہ حضرات تھے۔ عطا بن ابی رباح۔ طاؤس بن کیسان۔ مجاہد بن جبیر۔ عبید بن عمیر۔ عمرو بن دینار۔ عبداللہ بن ابی ملیکہ۔ عبدالرحمٰن بن سابط۔ اور عکرمہ۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ پھر ان کے بعد ابو الزبیر مکّی عبداللہ بن خالد بن اُسید۔ عبداللہ بن طاؤس۔ پھر ان کے بعد عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج سفیان بن عُیینہ۔ ان کے اکثر فتوے مناسک حج کے بارے میں ہیں۔ طلاق کے فتووں میں یہ لوگ توقف کر جاتے تھے۔ پھر ان کے بعد مسلم بن خالد زنجی۔ سعید بن سالم قداح۔ ان کے بعد امام محمد بن ادریس شافعی پھر عبداللہ بن زبیر حمیدی۔ اور ابراہیم بن محمد شافعی ابن عم محمد اور موسیٰ بن ابی جارود۔ وغیرہ۔

فصل۔ بصرے کے مفتی عمرو بن سلمہ جرمی۔ ابو مریم حنفی کعب بن سُور۔ حسن بصری جنہوں نے پانچ سو صحابہ کو پایا تھا بعض علماء نے ان کے فتوے سات ضخیم کتابوں میں جمع کئے ہیں۔ امام محمد بن حزم کہتے ہیں اور ابو الشعثاء جابر بن زید۔ اور محمد بن سیرین۔ اور ابو قلابہ عبداللہ بن زبیر جرمی۔ اور مسلم بن یسار۔ اور ابو العالیہ۔ اور حُمید بن عبدالرحمٰن۔ اور مطرف بن عبداللہ شخّیر۔ اور زرارہ بن ابی اوفی۔ اور ابو بردہ بن ابو موسیٰ۔ پھر ان کے بعد ایوب سختیانی سلیمان تیمی عبداللہ بن اوف۔ یونس بن عبید۔ قاسم بن ربیعہ۔ خالد بن ابی عمران۔ اشعث بن عبدالملک حمرانی۔ قتادہ حفص بن سلیمان۔ ایاس بن معاویہ۔ قاضی۔ ان کے بعد سوار قاضی ابو بکر عتکی عثمان بن سلیمان بتی طلحہ بن ایاس قاضی۔ عبیداللہ بن حسن عنبری۔ اشعث بن جابر بن زید۔ پھر ان کے پیچھے عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی سعید بن ابی عروبہ حماد بن سلمہ حماد بن زید۔ عبداللہ بن داؤد قرشی۔ اسمٰعیل بن علیہ۔ بشر بن مفضل معاذ بن معاذ عنبری معمر بن راشد ضحاک بن مخلد۔ محمد بن عبداللہ انصاری رحمہم اللہ تعالیٰ

فصل۔ کوفے کے مفتی یہ ہیں۔ علقمہ بن قیس نخعی اسود بن یزید نخعی جو علقمہ کے چچا ہیں۔ عمر بن شرحبیل ہمدانی۔ مسروق بن اجدع ہمدانی۔ عبیدہ سلمانی شریح بن حارث قاضی سلیمان بن ربیعہ باہلی۔ زید بن صوحان۔ سُوید بن غفلہ حارث بن قیس جعفی۔ عبدالرحمٰن بن یزید نخعی۔ عبداللہ بن عتبہ بن مسعود قاضی۔ خیثمہ بن عبدالرحمٰن سلمہ بن صہیب۔ مالک بن عامر عبداللہ بن سخبرہ۔ زر بن حبیش خلاس بن عمرو۔ عمرو بن میمون اودی ہمام بن حارث حارث بن سُوید۔ یزید بن معاویہ نخعی ربیع بن خثیم۔ عتبہ بن فرقد صلہ بن زفر۔ شریک بن حنبل۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ عبید بن نضلہ۔ یہ سب بزرگ اصحاب علی اور اصحاب ابن مسعود ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔ بڑے بڑے تابعین فتوے دیتے تھے اور اُن سے لوگ فتوے دریافت بھی کرتے تھے۔ حالانکہ اُس وقت بڑے بڑے صحابہ کرام موجود تھے۔ لیکن وہ اسے جائز جانتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے حضرت عمرؓ سے

احکام بالکل بے کار ہو جائیں گے اور جسے بھی جس مسئلے میں کسی مخالف قول
کا علم نہ ہوگا وہ اپنی اس جہالت کو اجماع کہہ کر خدا رسول کے احکام پر اُسے
مقدم کر دیگا۔ یہی وہ چیز ہے جسکا انکار یہ دونوں امام کرتے ہیں نہ یہ کہ وہ
وجود اجماع کو ہی محال سمجھتے ہوں۔ جیسے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔
فصل ۔ ثانیاً امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فتووں کی دوسری اصل صحابہ
کرام رضوان اللہ علیہم کے فتوے تھے ان میں آپ کا مسلک یہ تھا کہ جو فتویٰ
پایا اور اُس کے خلاف صحابہ میں سے کسی کا فتویٰ نہیں ہے تو بس آپ اُس
پر قناعت کر لیتے۔ آپ اُسے اجماع تو نہیں کہتے تھے بلکہ بہت احتیاط
برت کر یہ فرما دیتے کہ اسے رد کرنے والی کسی چیز کا علم مجھ تک نہیں پہنچا۔
یا اسی طرح کا کوئی اور جملہ فرما دیا کرتے۔ جیسے کہ ابو طالب کی روایت میں
فرمایا ہے کہ میں ایسی کوئی چیز نہیں جانتا جو ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور گیارہ
تابعین کے قول کو دفع کرتی ہو۔ جن میں عطا اور مجاہد اور اہل مدینہ ہیں
لونڈیوں کو آزاد کر کے پھر اُن سے نکاح کر لینے کے مسئلے میں اسی طرح کا
مقولہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے علم
میں ایک بھی ایسا نہیں جس نے غلام کی شہادت رد کر دی ہو۔ اسے امام احمد
نے روایت کیا ہے۔ الغرض امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب کسی صحابی کے
ایسے فتوے کو پاتے جس میں کسی اور صحابی کا خلاف نہ ہو تو اُس پر کسی عمل
کسی رائے کسی قیاس کو مقدم نہ کرتے۔ **فصل** تیسرا اصول حضرت امام
صاحب کا یہ تھا کہ جب صحابہ میں کسی مسئلے میں اختلاف پاتے تو جس کا قول
آپ کو کتاب و سنت کے قریب معلوم ہوتا لے لیتے لیکن اُن کے اقوال
سے باہر نہیں جاتے تھے۔ اور اس صورت میں اگر آپ کو کسی قول کی ترجیح
کی کوئی وجہ بھی نہ ملتی تو پھر آپ اُن مختلف اقوال کو ذکر کر دیتے اور کسی
قول پر خاص زور نہ دیتے۔ امام صاحب سے سوال ہوا کہ کوئی شخص کسی قوم
میں بیٹھا ہوا ہو وہاں کسی مسئلے کا سوال ہو اور لوگوں کے اقوال اُس میں
مختلف ہوں تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا جو کتاب و سنت کے مطابق
ہو وہی فتویٰ دے اور جو قول موافق نہ ہو اُس سے رُک جائے۔ پوچھا
گیا کہ کیا اُس پر جواب طلبی ہے؟ فرمایا نہیں۔ **فصل** ۔ چوتھا اصول
امام صاحبؒ کا یہ تھا کہ مرسل اور ضعیف حدیث سے بھی مسئلہ لیا جائے
جبکہ اُس کے خلاف اور کوئی صحیح متصل حدیث نہ ہو۔ ایسی روایتوں کو

بھی آپ قیاس پر مقدم رکھتے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ضعیف سے مراد باطل اور
منکر حدیث نہیں۔ نہ ایسی حدیث جس کے راویوں میں کسی پر جھوٹ کی تہمت
ہو۔ اُس کی طرف تو جانا اور اُس پر عمل کرنا ممنوع ہے۔ بلکہ امام صاحب کے
نزدیک ضعیف صحیح کی ہی تقسیم ہے اور گویا آپ کے نزدیک حسن حدیث کی
ایک قسم ضعیف ہے۔ یہ جو تقسیم ہے صحیح اور حسن اور ضعیف کی یہ امام صاحب
کے نزدیک صرف صحیح اور ضعیف ہی ہے۔ پھر ضعیف حدیث کے کئی مراتب
ہیں۔ پس جبکہ آپ کسی مسئلے میں ایسی ضعیف حدیث کے خلاف کوئی اور
روایت نہ پاتے نہ کسی صحابی کا قول پاتے نہ اُسکے خلاف اجماع پاتے۔
تو قیاس کی بہ نسبت اسکو بھی مقدم جانتے اور اسی پر عمل و فتویٰ رکھتے۔ اور
ایک آپ ہی پر کیا موقوف ہے کوئی امام ایسا نہیں جو ضعیف حدیث کو قیاس
پر مقدم نہ کرتا ہو۔ پس اصل کے اعتبار سے اور ائمہ بھی آپ کے فی الجملہ موافق
ہیں۔ دیکھئے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے باطل
ہو جانے کی حدیث کو قیاس پر مقدم رکھا ہے۔ حالانکہ تمام اہل حدیث کے
نزدیک یہ حدیث بالکل ضعیف ہے۔ اسی طرح نبیذ سے وضو کرنے کی حدیث
کو آپ نے قیاس پر مقدم رکھا ہے حالانکہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک
یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور حیض کی مدت کی اکثریت کی دس دن کی حدیث
کو قیاس پر مقدم کیا ہے۔ حالانکہ وہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ اور قیاس
یہ چاہتا ہے کہ تیرھویں دن بھی جو خون نظر آئے وہ خون حیض گنا جائے
کیونکہ تعریف اور حقیقت اور صفت کے لحاظ سے وہ دسویں دن کے خون
کے بالکل برابر ہے۔ اسی طرح کم سے کم مہر کی تعداد میں دس درہم والی
حدیث کو محض قیاس پر آپ نے مقدم کیا ہے حالانکہ اس کے ضعف پر
بلکہ باطل ہونے پر اہل حدیث کا اجماع ہے۔ اور قیاس چاہتا ہے کہ اس
سے کم مہر بھی جائز ہو کیونکہ مہر معاوضہ ہے اور جس معاوضے پر دونوں
جانب سے رضامندی ہو جائے کافی ہے خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ اسی طرح
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وجّ نامی جگہ کے شکار کی حرمت کی
حدیث کو قیاس پر مقدم رکھا باوجودیکہ وہ ضعیف ہے۔ اور مکہ شریف
میں نماز کو ممنوع وقتوں میں بھی پڑھ لینے کے جواز کی حدیث کو بھی
قیاس پر مقدم رکھا باوجودیکہ وہ ضعیف ہے اور دوسرے شہروں کے
قیاس کے بالکل مخالف ہے۔ بلکہ ایک ضعیف اور مرسل حدیث میں ہے

آپ کے فتوے برابر سینہ بسینہ مروی ہوتے رہے ۔ ہر زمانے میں اُن کا چرچا رہا چھوٹے بڑوں سے پچھلے اگلوں سے انہیں لیتے رہے ۔ پس اہلسنت کے مختلف طبقوں کے آپ امام ہیں ۔ یہانتک کہ اُن کے مذہب کے مخالف اُن کے سوا اور کی تقلید کرنے والے بھی اُن کے کلام اور اُن کے فتووں کی عزت وعظمت کرتے ہیں اُن کی حقانیت کے معترف ہیں اور اُنہیں صحابہ کے فتووں کے قریب پاتے ہیں ۔ آپ کے فتووں کو دیکھنے والا پھر صحابہؓ کے فتووں سے واقفیت رکھنے والا انہیں سب کو بالکل ایک دوسرے کے مطابق پائیگا ۔ اور دیکھ لیگا کہ یہ دونوں روشنیاں ایک ہی چراغ کی ہیں ۔ یہانتک کہ اگر صحابہ میں کسی مسئلے کی بابت مختلف قول ہیں تو امام صاحب سے بھی اُس مسئلے کی مختلف روایتیں ہیں ۔ بالکل یوں سمجھو کہ جیسے آپ کے شاگرد آپ کے فتووں کے حاصل کرنے کے کوشاں تھے آپ صحابہ کے فتاوے حاصل کرنے کے کوشاں تھے ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ یہانتک تو ہے کہ آپ مرسل حدیث پر صحابہ کے فتوے کو مقدم رکھتے تھے ۔ آپ سے اسحٰق بن ابراہیم ہانی نے کسی مسئلے کی نسبت پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جس کے راوی ثقہ ہوں لیکن ہو وہ مرسل آپکو زیادہ پسند ہے؟ یا صحابی کا فتویٰ جو متصل ہو اور بہ سند صحیح ہو؟ تو آپ نے فرمایا اس صورت میں مجھے صحابی کا فتویٰ زیادہ مرغوب ہے ۔ آپکے فتووں کے پانچ اصول تھے ۔ اوّلاً تو نصوص یعنے قرآن وحدیث کا صاف حکم ۔ اس کے بعد تو نہ آپ کسی کی طرف التفات فرماتے نہ کسی مخالف کی طرف نظر اُٹھاتے بلکہ جو اس میں پاتے وہی فرماتے یہی وجہ ہے کہ مبتوتہ کے بارے میں حضرت فاطمہ بنتِ قیسؓ کی حدیث پاکر ۔ اور تیمم کے بارے میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت پاکر ۔ اور احرام باندھنے والے نے جو خوشبو احرام سے پہلے لگائی ہو اُس کے باقی رہنے میں حضرت عائشہؓ سے روایت شدہ حدیث پاکر ۔ حضرت عمرؓ کے خلاف کی مطلق پروانہ کی اور وہی اپنا فتویٰ رکھا جو مرفوع حدیثوں میں تھا ۔ مفرد اور قارن حاجی کا تمتع کی طرف فسخ کرلینا احادیثِ فسخ کو سامنے رکھ کر جائز ہی کہا اور اس کے خلاف کہنے والوں کی طرف التفات تک نہ کیا ۔ اسی طرح چونکہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آچکا ہے کہ انزال سے پہلے ہٹ جانے پر بھی غسل ہے حضورؐ نے اور بی بی عائشہؓ نے اس حالت میں غسل کیا ۔ لہٰذا آپ نے یہی فتویٰ دیا اور حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت

طلحہؓ حضرت ابو ایوبؓ حضرت اُبی بن کعبؓ کے خلاف کی طرف دیکھا تک نہیں سُبیعہ اسلمیہؓ سے حدیث ہے کہ حاملہ کی عدت حمل کے وضع ہونے پر ختم ہوجاتی ہے اس لئے آپ نے یہی فتویٰ دیا ۔ حالانکہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ چار مہینے دس دن اور حمل کا وضع ہوجانا ان دونوں میں سے جو دیر سے آئے وہی عدت ہے ۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ سے بھی یہی مروی ہے ۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا ۔ حضرت معاذؓ اور حضرت معاویہؓ سے اس کے خلاف مروی ہے ۔ امام صاحبؒ نے دونوں بزرگوں کے قول کو چھوڑ دیا اور وہ فرمایا جو حدیث میں ہے ۔ اسی طرح نقدی کے صرافے میں ابن عباسؓ کے قول کی طرف التفات تک نہ کیا کیونکہ اس کے خلاف آپ کے نزدیک حدیث کی صحت ثابت ہوچکی تھی ۔ اسی طرح انہی کا قول گدھوں کے گوشت کی اباحت میں بھی حدیث کی مخالفت کی وجہ سے چھوڑ دیا ۔ اور بھی ایسی مثالیں بہت سی بیان کی جاسکتی ہیں ۔ الغرض کسی عمل کو کسی رائے کو کسی قیاس کو کسی صحابی کے قول کو کسی اجماع کو آپ حدیث صحیح پر مقدم نہیں کرتے تھے ۔ جس مسئلے میں کسی مخالف کا علم نہ ہو اُسے لوگ اجماع کہنے لگے ہیں اور اُسے صحیح حدیث پر مقدم کردیا کرتے ہیں ۔ امام صاحبؒ اس کے سخت مخالف تھے ۔ اسی لئے آپ نے اجماع کے مدعی کو کاذب کہا ہے اور ثابت حدیث پر اُس کا مقدم کرنا ناجائز فرمایا ہے ۔ اسی طرح حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے نئے رسالے میں اس بات کا انکار کیا ہے کہ جس مسئلے میں کوئی مخالف معلوم نہ ہو اُسے اجماع کہدیا جائے ۔ اُن کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ جس میں خلاف معلوم نہ ہو وہ اجماع نہیں ہے ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو مروی ہے کہ کسی مسئلے میں کسی کا اجماع کا دعویٰ کرنا بالکل غلط ہے ایسا شخص جھوٹا ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ اختلاف ہوا ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو اس تک خبر نہ پہنچی ہو ۔ پس یوں کہہ سکتا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہو ۔ یہی دعویٰ بشر مُریسی اور اصم کا تھا ۔ لیکن وہ کہتا تھا ہمکو لوگوں کے اختلاف کا علم نہیں ۔ یا مجھے یہ اختلاف نہیں پہنچا ۔ یہ ہیں اُسکے لفظ ۔ دراصل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں امام احمدؒ کے اور تمام ائمۂ حدیثؒ کے نزدیک اس سے بہت ہی زیادہ عظمت وعزت والی ہیں کہ وہ اُن پر اجماع کے وہم کو مقدم کردیں ۔ جو بجز اس کے کچھ نہیں کہ مخالفت کا علم نہیں ہوتا ۔ اگر اسے جائز مان لیا جائے تو تو حدیث وقرآن کے صاف صاف

سحنون بن سعید فرماتے ہیں فتویٰ دینے میں دلیر وہی ہوتا ہے جو علم سے کورا ہو۔ ایک چیز کا علم آنے سے انسان سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں سب باتوں کا عالم ہوگیا۔ یہ یاد رہے کہ بے علمی پر انسان بہ کثرت فتوے گھسیٹنے لگتا ہے لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ جس کا علم جتنا وسیع ہوتا ہے اتنے ہی اُس کے فتوے بھی بکثرت ہوتے ہیں۔ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوے اس قدر ہیں کہ اُن سے بیس کتابیں لکھ لی گئیں۔ جیسے کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کے فتوے بھی بہت سارے ہیں ان کا نام بھی لوگوں نے جری رکھ دیا تھا۔ لوگ مسئلے دریافت کرنے آتے یہاں والے وہاں بھیجتے وہاں والے یہاں یہانتک کہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں پہنچ کر اُن کی آرزو بر آتی۔ انہیں سعید بن مسیب جری کہا جاتا تھا۔ سحنون فرماتے ہیں ایسے مسائل بھی ہیں کہ آٹھ اماموں کے آٹھ مختلف قول اُن میں ہیں اب بتلاؤ کہ کوئی جلدی سے کیسے زبان کھول سکتا ہے؟ پھر جب تک صحیح جواب نہ معلوم کر لوں میں کچھ نہ کہوں اس پر لوگ مجھے ملامت کیسے کرنے لگتے ہیں؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ فتوے دیتے ہیں۔ ۱ یا تو پورا عالم جو قرآن کے ناسخ منسوخ کا علم رکھتا ہو۔ ۲ یا امیر جسے بغیر فتویٰ دئے چارہ ہی نہیں ۳ یا احمق جو ادھر اُدھر کی گھڑ گھڑا کر جو زبان پر چڑھا بک دے۔ امام ابن سیرین فرماتے تھے پہلے کی دو قسموں میں تو میں نہیں ہوں اور تیسری قسم کا بننا میں پسند نہیں کرتا۔ یہ یاد رہے کہ ناسخ منسوخ سے مراد سلف صالحین کی صرف یہی نہیں ہوتی تھی کہ حکم سرے سے اُٹھ جائے اور بدل جائے اُسی کو نسخ کہیں۔ یہ تو پچھلے لوگوں کی اصطلاح ہے۔ وہ اسے بھی نسخ کہتے تھے سا ہی عام اور مطلق اور ظاہر وغیرہ کی دلالت کی تخصیص یا قید یا مطلق کا مقید پر محمول ہونا یا اُس کی تفسیر کا بیان ہونا وغیرہ بھی اُن کے نزدیک نسخ میں داخل تھا۔ پس سلف کے نزدیک نسخ یہ تھا کہ مراد کا بیان اور لفظوں میں ہو جو اُن لفظوں کے سوا کوئی خارجی امر ہو۔ سلف کے کلام میں غور کرنے والا بہت جلد ہماری موافقت کریگا۔ اور اسی سے اُن مشکلات سے نجات بھی ہوجائیگی جو متأخرین کی اصطلاحِ نسخ کو سامنے رکھ کر متقدمین کے ایسے کلاموں میں واقع ہوجاتی ہیں۔ غرض ابن سیرین کا قول آپ اوپر پڑھ آئے۔ امام ابوعمر بن عبدالبر اپنی کتاب جامع فضل العلم میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام جعفر بن حسین نے خواب میں امام ابوحنیفہؒ کو دیکھ کر دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ خدا نے کیا کیا؟ فرمایا مجھے بخشدیا۔ پوچھا علم کی وجہ سے؟ فرمایا افسوس فتوے تو فتویٰ دینے والوں پر بہت ہی مضر ہیں۔ پوچھا پھر کیسے؟ فرمایا لوگوں کے میرے بارے میں وہ وہ باتیں کہنے سے جن سے میں خدا کے علم میں بَری ہوں۔ ایک دن سحنون نے فرمایا إِنَّا لِلّٰهِ الخ مفتی اور حاکم کس قدر بدبخت ہیں؟ پھر فرمایا لو میں وہ ہوں جس سے وہ چیز سیکھی جاتی ہے جس سے گردنیں ماری جائیں اور شرمگاہیں حلال کی جائیں اور حقوق لئے جائیں دیکھو میں تو اس کا مطلقاً محتاج نہیں۔ ابوعثمان حداد فرماتے ہیں قاضی کا گناہ بہ نسبت فقیہ یعنے مفتی کے ہلکا ہے اور وہ سلامتی سے بھی قریب ہے۔ اس لئے کہ مفتی کو تو فی الفور جواب دینا پڑتا ہے اور قاضی کو سوچنے غور کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا سوچنے اور غور و فکر کرنے کا موقعہ ملیگا اُتنا ہی حق و صواب کھلیگا۔ اور بزرگ فرماتے ہیں قاضی کی نسبت مفتی سلامتی کے قریب ہے اس لئے کہ وہ اپنے فتوے کو لازم تو نہیں کر دیتا وہ تو سائل کو جواب دیتا ہے جو چاہے قبول کرے جو چاہے رد کر دے لیکن قاضی کا فیصلہ تو اٹل ہوتا ہے پس حکم کی خبر دینے میں تو دونوں کی حالت یکساں ہے لیکن قاضی کے حکم کے بعد اُس کا نہ ماننا ناممکن ہونے کی وجہ سے اُس کا خطرہ بڑھا ہوا ہے۔ اسی لئے قاضی کے حق میں جو خوفناک وعید آئی ہے اُس جیسی وعید مفتی کے بارے میں نہیں۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے قاضیوں کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ عادل قاضی کو بھی قیامت کے دن خدا کے سامنے لایا جائیگا حساب کی سختی ایسی ہوگی کہ اُس کے دل میں تمنا پیدا ہوگی کہ کاش کہ میں نے دو شخصوں کے درمیان ایک کھجور کے جھگڑے کا بھی فیصلہ کبھی نہ کیا ہوتا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو حاکم لوگوں میں فیصلہ کرتا ہے اُس کی گردن پکڑ کر فرشتہ جہنم کے کنارے کھڑا کر دیگا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سر اٹھا کر دیکھیگا کہ اگر حکم ہوجائے تو چالیس سال کے گہراؤ والے جہنم کے گڑھے میں دھکیل دے۔ سنن کی حدیث میں ہے قاضی تین قسم کے ہیں دو جہنمی اور ایک جنتی جس نے حق کو معلوم بھی کر لیا اور حق کے ساتھ فیصلہ بھی کیا وہ تو جنتی ہے اور جسنے جہالت کے ساتھ فیصلے کئے وہ جہنم میں گیا اور جس نے حقانیت کو پہچان کر پھر حق فیصلہ نہ کیا وہ

جو شخص قے کرے یا اُس کی نکسیر پھوٹے وہ وضو کرلے اور جتنی نماز پڑھ چکا ہے اُس کو باقی رکھتے ہوئے پوری کرلے۔ اس حدیث کو بھی آپ نے قیاس پر مقدم رکھا اور اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اسی پر فتویٰ دیا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو مرسل اور منقطع اور پہنچی ہوئی حدیثوں کو اور صحابی کے قول کو قیاس پر مقدم کرتے ہی ہیں۔ پانچواں اصول آپکا قیاس بھی تھا۔ لیکن یہ کب؟ اُس وقت کہ کسی مسئلے میں قرآن کی کوئی آیت کوئی حدیث کوئی قولِ صحابی کوئی مرسل اثر کوئی ضعیف روایت بھی نہ ملے تو ضرورتاً قیاس کا استعمال بھی کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے امام شافعیؒ سے قیاس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا اُس کی طرف تو اشد ضرورت کے وقت جایا جاتا ہے۔ پس ان پانچ اصولوں پر امام صاحب کے فتاووں کا دارو مدار ہے باوجود اس جلالت وشان کے پھر آپ کی احتیاط دیکھئے کہ جہاں کہیں دلیلیں آپ کو مخالف نظر آتیں یا صحابہؓ کے اختلاف میں کوئی فیصلے کی راہ نہ ملتی یا کوئی دلیل ہی آپ کو معلوم نہ ہوتی نہ کسی اثر سے نہ قولِ صحابی سے نہ تابعین کے فتوے سے تو آپ خود بھی زبان نہ ہلاتے توقف کرجاتے اور فتویٰ نہ دیتے سلف سے جو مسئلہ مروی نہ ہوا اُسے زبان سے نکالنا آپ سخت ناپسند رکھتے چنانچہ آپ نے اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا بھی ہے کہ جس مسئلے میں تیرا کوئی امام نہ ہو خبردار اُسے زبان سے نہ نکالنا۔ حدیث داں فقہاء سے اور امام مالک کے شاگردوں سے مسائل پوچھنے کی آپ کی ہدایت تھی۔ ہاں جو لوگ حدیث سے منہ موڑنے والے ہیں حدیث کو اپنا مذہب قرار نہیں دیتے اُن سے شریعت کے مسائل دریافت کرنے کو آپ منع فرماتے تھے۔ بلکہ اُن کے فتووں کو عمل کے قابل بھی نہیں بتلاتے تھے۔ ابن ہانی نے آپ سے پوچھا کہ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے جو فتوے دینے میں دلیر ہو وہ جہنم کی آگ پر بھی دلیر ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا جو نہ سُنا ہو وہ فتویٰ دیدے۔ پھر پوچھا کہ جو اندھا دھند فتویٰ دیدے؟ فرمایا وہ بڑا ہی گنہگار ہے۔ پوچھا پھر فتویٰ کیسے دے؟ فرمایا بحث وتفتیش کرکے حکم اور اصل معلوم کرکے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں ایکدفعہ نہیں بارہا میں نے دیکھا کہ حضرت امام احمدؒ سے اختلافی مسائل پوچھے جاتے تو آپ صاف فرما دیتے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے ابن عیینہؒ جیسا اور کوئی اچھا مفتی نہیں دیکھا اُنہیں یہ فرمانا بالکل آسان تھا کہ میں نہیں جانتا اسی لئے خود امام صاحب بھی یہ کہنے سے نہ شرماتے کہ میں نہیں جانتا۔ ایک عرب نے حضرت امام مالکؒ سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ اُسنے بڑے تعجب سے کہا کہ امام صاحب! آپ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا؟ آپنے فرمایا ہاں ہاں میں نہیں جانتا۔ تو جا اور وہاں سے بھی یہ کہدے کہ مالک اس مسئلے سے بے علم ہے۔ امام صاحبؒ کے فرزند ارجمند امام عبداللہؒ فرماتے ہیں میں یہی لفظ "نہیں جانتا" اپنے والد کی زبان سے اکثر مسائل کے جواب میں سُنا کرتا تھا۔ صحابہؓ کے اختلافی مسائل میں بھی آپ توقف فرما جاتے۔ اکثر یہ بھی فرمادیتے کہ جاؤ کسی اور سے دریافت کرو۔ لوگ کہتے حضرت! آپ کے سوا کس سے دریافت کریں؟ تو فرماتے اور علماء سے پوچھ لو عموماً کسی کا نام نہ لیتے۔ آپ فرماتے ہیں امام ابن عیینہ طلاق کے بارے میں فتویٰ نہ دیتے اور فرماتے اسے کون اچھی طرح جانتا ہے؟

فصل سلف صالحین فتویٰ بازی سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ ہر ایک دوسرے پر ٹالتا تھا۔ جب مجبور ہو جاتے تو اپنی پوری طاقت خرچ کرکے کتاب وسنت سے یا اقوالِ خلفاء راشدین سے فتویٰ دیتے۔ امام عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ فرماتے ہیں میں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا لیکن میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بیان کرنے والا ہر فتویٰ دینے والا اسی انتظار میں رہتا کہ کوئی اور بیان کردے اور کوئی فتویٰ دیدے۔ جب اُن سے سوال ہوتا اُن کی یہی چاہت ہوتی کہ کاش کے کوئی اور بول دے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عاصم بن عمرؓ کے پاس معاویہ بن ابو عیاش بیٹھے ہوئے تھے جو محمد بن ایاس بن بکیرؒ آئے اور مسئلہ پوچھا کہ بادیہ نشینوں میں سے کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں فرمائیے آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ہمارا اس میں کوئی قول نہیں تم عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کے پاس جاؤ۔ میں انہیں حضرت مائی عائشہؓ کے پاس بیٹھا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں۔ تم اُن سے دریافت کرکے پھر ہمیں بھی خبر کرنا کہ کیا جواب دیا؟ سائل وہاں پہنچا مسئلہ پوچھا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا بھائی اس مسئلے میں تو تم ہی فتویٰ دو آپ نے فرمایا پہلی طلاق میں تو وہ جُدا ہوگئی اور تیسری طلاق نے اُسے حرام کردیا جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے پھر اس کے بعد وہ دوسرا خاوند مر جائے یا طلاق دیدے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو شخص ہر ایک مسئلے کا فتویٰ دیا کرے سمجھ لو کہ وہ پاگل ہے۔ ابنِ مسعودؓ کا فرمان بھی یہی ہے۔

کھلے طور پر وحیِ الٰہی سے کسی چیز کی حلت و حرمت معلوم نہ ہو صرف تقلید کے طور پر اور تاویلی طریقے سے حلال حرام کے فتوے جڑ دینا کسی مسلمان کو لائق نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بنائے ہوئے امیر حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ کو اس سے منع فرمادیا کہ وہ دشمن کا محاصرہ کرکے اس بات پر اُنہیں آزاد کریں کہ جو اللہ کا حکم ہوگا بلکہ فرمایا کہ اُنہیں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے احکام کی پابندی کی شرط پر آزاد کرو کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ اُن کے بارے میں خدائی حکم کیا ہے؟ کیا خبر تم اُس تک پہنچو بھی یا نہ پہنچو۔ پس غور کرلو کہ خدا کے حکم میں اور مجتہد سردار کے حکم میں آپ نے کس قدر فرق ظاہر فرمایا اور مجتہد کے حکم کا نام اللہ کا حکم رکھنے سے منع فرمادیا۔ ایک مرتبہ امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کاتب نے ایک حکم کا لکھنا شروع کیا اور لکھا کہ یہ وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے امیرالمومنین حضرت عمر کو سمجھایا تو آپ نے فرمایا ایسا نہ لکھو بلکہ لکھو کہ یہ ہے وہ حکم جو امیرالمومنین عمر بن خطاب کے نزدیک ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ مسلمانوں میں ہمارے گذرے ہوئے اسلاف میں ایک بھی ایسا شخص جس کی اقتدا کی جاتی ہو ملتے نہیں پایا۔ جو کسی شے کو حلال و حرام کہتا ہو اُن کی جرأتیں اتنی نہ تھیں وہ تو صرف یہ فرمادیا کرتے تھے کہ ہم اسے اچھا نہیں سمجھتے اور یہ ہمارے نزدیک اچھا ہے۔ یہ کرنا چاہیئے اور ہم تو یہ اچھا نہیں دیکھتے۔ وہ حلال و حرام کے فتوے نہیں جڑا کرتے تھے کیا تم نے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ فرمان نہیں سُنا؟ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ الخ کہ اللہ نے جو روزی تمہارے لئے اُتاری ہے پھر تم جو اُس میں حلال حرام کرنے بیٹھے ہو کیا اس کی اجازت اللہ نے دی ہے؟ یا تم اللہ پر جھوٹ فرما باندھ رہے ہو؟ پس حلال وہ ہے جسے اللہ اور اُس کا رسول حلال کردے اور حرام وہ ہے جسے اللہ رسول حرام کردے۔ ائمہ کے تابعداروں کی یہ غلطی بھی ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ائمہ نے اپنی پرہیزگاری کے طور پر لفظِ حرام کا اطلاق نہ کرکے لفظِ مکروہ کا استعمال کیا تو انہوں نے وہاں سے حرمت کو ہی اڑا دیا۔ پھر اس لفظ مکروہ کی بھی مٹی پلید کردی کسی نے کہہ دیا کہ مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے یعنے بچنا بہتر ہے نہ بچو تو کوئی اتنا بڑا حرج بھی نہیں۔ اور ان سے بھی چند قدم آگے بڑھ کر اوروں نے تو کہہ دیا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ بچنا اولیٰ ہے اور کرلینا بھی جائز ہے۔ ایسے ہی تصرفات نے اور اسی قسم کی دست اندازیوں نے شریعت کے بہت سے مسائل کی کایا پلٹ دی اور ائمہ کا مذہب کچھ کا کچھ نظر آنے لگا۔ دو لونڈیاں جو آپس میں بہنیں ہوں اُنہیں ملکیت کے ماتحت اپنے تصرف میں لانے کی بابت حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں یہ نہیں کہا کہ حرام ہے۔ حالانکہ اُن کا مذہب اس کی حرمت ہی ہے۔ حرام کے لفظ کے استعمال کرنے کو چھوڑ دینے کی وجہ وہی تھی جو اوپر عثمان کے قول میں بیان ہوئی۔ اسی طرح آپ سے منقول ہے کہ سونے چاندی کے برتنوں میں پانی لیکر وضو کرنا مکروہ ہے۔ پس یہاں بھی مکروہ سے مراد حرام ہے۔ اُن کا مذہب اس کے عدم جواز کا ہی ہے۔ ایک روایت میں آپ کا فرمان ہے کہ تہمد باندھ کر ہی حمام میں جانا مستحب ہو۔ یہاں بھی استحباب سے مراد وجوب ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ جس انسان کے پاس اُس کے مال کی اکثریت حرام کی ہو تو مجھے تو اُس کا مال کھانا اچھا نہیں معلوم ہوتا یہاں مراد حرام ہوتا ہے۔ اچھا اس سے بھی زیادہ صراحت والی روایت سنئے آپ فرماتے ہیں زہرہ ستارے کے لئے یا اور ستاروں کے لئے اور گرجوں کے لئے اور خدا کے سوا اور کسی کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے مجھے اُس کا کھانا اچھا نہیں لگتا کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ یعنے تم پر اپنی موت مرا ہوا جانور اور بوقت ذبح بہا ہوا خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز حرام ہے جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر شہرت دی جائے۔ پس دیکھئے صاف آیت کتاب اللہ کی موجود ہے وہ آپ کے سامنے ہے آپ اُس کی تلاوت کرتے ہیں اُس سے دلیل پکڑتے ہیں لیکن اپنے لفظوں میں احتیاط برتتے ہیں فرحمہ اللہ۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا بکثرت میلا کھانے والے جانوروں کا گوشت اور دودھ میں تو مکروہ جانتا ہوں یہاں بھی مراد مکروہ سے حرام ہے جیسے کہ حنبلی وغیرہ کی روایت میں صراحت موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں سانپ بچھو کا گوشت میں مکروہ رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ سانپ کی کچلیاں ہیں اور بچھو زہریلا اور ڈنک والا جانور ہے۔ پس یہاں بھی مراد کراہت سے حرمت ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب بغیر چھوڑنے کتا اپنے آپ شکار کرلے تو اُس شکار کا کھانا مجھے اچھا

بھی جہنم میں گیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ان حکام کا معاملہ اُس حاکمِ حقیقی کے سامنے نہایت بُرا ہوگا جبکہ یہ اُس سے ملاقات کرینگے۔ بجز اُن لوگوں کے جو عدل کا حکم کریں اور حق کے ساتھ فیصلے کریں خواہشِ نفس کو قرابت داری کو ڈر خوف کو لالچ و طمع کو دخل نہ دیں۔ اور کتاب اللہ کو ہر وقت پیشِ نظر رکھیں۔ ابوداؤد میں ہے جو شخص مسلمانوں میں فیصلے کرنے کو طلب کرے پھر اُس عہدے پر آکر اُس کا عدل اُس کے ظلم پر غالب آجائے تو تو اُس کیلئے جنت ہے۔ لیکن جس کا ظلم اُس کے عدل پر بھاری پڑ جائے وہ جہنمی ہے سنن بیہقی میں ہے اللہ تعالیٰ قاضی کیساتھ ہے جب تک وہ ظلم و جور نہ کرے جہاں اُس نے ظلم و ستم کیا کہ خدا اُس سے بری ہوگیا۔ اور شیطان اُس کے ساتھ لگ گیا۔ اسی کی اور حدیث میں ہے کہ قاضی کے ظلم نہ کرنے تک تو اللہ تعالیٰ اُسکا ساتھ دیتا ہے لیکن ظلم کرنے سے اللہ اُسے اُسکے نفس کی طرف سونپ دیتا ہے۔ سننِ اربعہ میں ہے جو شخص قاضی بنکر لوگوں میں بیٹھا اپنے تئیں بغیر چھری کے ذبح کرلیا۔ بیہقی میں ہے امیروں اماموں اور حاکموں کیلئے ویل ہے۔ چودھریوں ہزاروں منڈلوں کیلئے ویل ہے۔ امانت رکھنے والوں کیلئے ویل ہے۔ قیامت کے دن بہت لوگ ہونگے جو آرزو کرینگے کہ اُنکی پیشانی کے بال ثریا ستارے سے باندھ دیئے جاتے اور وہ آسمان و زمین کے درمیان اُدھر لٹکتے رہتے لیکن کسی کام کے متولی نہ بنتے۔ اب مفتی کی نسبت سنئے! سننِ ابی داؤد میں ہے جو شخص میرے نام سے وہ بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔ جو شخص بے علمی کیساتھ فتویٰ دے اُس کا گناہ اُسی پر ہے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کا بھلا تو کسی اور چیز میں دیکھے پھر بھی اُسے غلط اور خلاف مشورہ دے اُس نے اُس کی خیانت کی۔ پس جو خطرہ مفتی کو ہے وہی خطرہ قاضی کو بھی ہے پھر قاضی کے ساتھ اور خطرے مخصوص بھی ہیں۔ لیکن ہاں ایک اور حیثیت سے مفتی کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ اس کے فتوے مستفتی کو اور عام مسلمانوں کو شامل ہیں اور حاکم کا حکم تو صرف مدعی اور مدعا علیہ کے اوپر ہی ہے مفتی کا فتویٰ تو کلی ہے اور عام ہے کہ جو ایسا کرے اُس پر یہ ہے اور جو ایسا کرے اُس کا حکم یہ ہے اور قاضی کی قضا ایک شخص خاص کے لئے ہی ہوتی ہے۔ ہاں عالم کا فتویٰ عام ہوتا ہے پس ان دونوں کا اجر و ثواب بھی بہت بڑا ہے اور اور خطرہ اور گناہ بھی بہت بڑا ہے **فصل**۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی بات بنا لینا اور فتووں اور فیصلوں میں بغیر علم کے زبان کھولنا یہ تمام حرام کاموں میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ جناب باری کا فرمان ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ یعنے کہدے کہ میرے رب نے تو تمام برائیوں اور بدیوں کو بالکل حرام ہی کردیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور گناہ اور ظلم کو حرام کیا ہے اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے کو جس کی کوئی آسمانی دلیل نہیں اللہ نے حرام کیا ہے اور اس بات کو بھی کہ اللہ کے ذمے وہ کہو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بے علمی کے ساتھ شریعت کی بات بتانی تمام حرام کاموں سے بڑھ کر حرام ہے۔ اس لئے کہ آیت میں حرمتوں کا ذکر ترتیب سے ہے۔ سب سے پہلے سب سے ہلکی چیز یعنے فحش کاموں کی حرمت ہے۔ اس کے بعد اس سے بڑھی ہوئی حرمت گناہ اور ظلم کی ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے بھی بڑھی ہوئی حرمت والی چیز یعنے خدا کے ساتھ شرک کرنے کی حرمت کا ذکر ہے پھر چوتھے اور آخری اور انتہائی مرتبے میں ان سب سے بڑھ چڑھ کر جو چیز اللہ حرام ہے اُس کا ذکر ہے یعنے خدا کا نام لیکر وہ بات کہنا جس کا علم نہ ہو۔ خواہ وہ قول خدا کے ناموں میں ہو اُس کی صفتوں میں ہو اُس کے کاموں میں ہو اُس کے دین اور اُس کی شریعت میں ہو کسی میں ہو سب کا یہی عام حکم ہے۔ اور آیت میں ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ الخ اپنی زبانوں سے جھوٹ موٹ خدا پر بہتان باندھ کر نہ کہدیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ یاد رکھو خدا پر جھوٹ باندھنے والے نجات سے محروم رہتے ہیں گو دنیوی فائدہ یونہی سا اٹھالیں لیکن آخر دردناک عذابوں میں مبتلا ہونگے۔ پس دیکھو کہ کس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے احکام میں جھوٹ اور غلط کہدینے والوں پر وعید نازل فرمائی ہے اور کس طرح اُنہیں دھمکایا ہے جو خدا کے حرام نہ کئے ہوئے کو حرام اور حلال نہ کئے ہوئے کو حلال کہدیں۔ پس جناب باری عزّ و جلّ نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے کہ جب تک بندے کو خدا کے حلال و حرام کئے ہوئے کا علم نہ ہو اُسے حلال و حرام بتلانا کسی طرح جائز نہیں۔ بعض سلف کا قول ہے کہ انسان کو یہ کہنے سے کہ اسے خدا نے حلال کیا ہے اور اسے حرام کیا ہے بہت بچنا چاہئے کہیں ایسا نہو کہ خدا فرمادے تو جھوٹا ہے نہ میں نے اسے حلال کیا ہے نہ اُسے حرام کیا۔ پس جبتک

وہ مباح ہے یا جائز ہے۔ آپ کی جلالت بزرگی عزت اور مرتبے کو سامنے رکھ کر ہمیں یہی سمجھنا چاہیئے کہ یہ کراہت بمعنی حرمت ہے گو لفظ کراہت کا استعمال کیا ہے اس لئے کہ حرام کو اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول مکروہ سمجھتا ہے۔ دیکھیئے قرآن کریم نے بہت سی محرمات کو جمع کر کے اُن سے منع فرما کر آخر میں فرمایا کُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ یہ سب باتیں تیرے رب کے نزدیک مکروہ ہیں۔ اوپر بیان ہوا ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا ساتھ ہی ماں باپ کے نہ ڈانٹنے کا بھی ذکر ہے اولادوں کو قتل کرنے کی ممانعت بھی ہے۔ زناکاری کی حرمت بھی ہے کسی کے ناحق کے قتل کی ممانعت بھی ہے۔ مالِ یتیم کو ناحق کھا جانے کی حرمت بھی بیان ہوئی ہے۔ بے علم زبان کھولنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ قیل وقال اور بکواس کو اور سوال کی کثرت کو اور مال کی بربادی کو مکروہ رکھتا ہے۔ پس اللہ رسول کے کلام میں مکروہ بمعنی حرام موجود ہے یہی اصطلاح سلف صالحین کی تھی۔ لیکن متأخرین نے نئی اصطلاح نکالی اور کہا کہ مکروہ وہ ہے جو حرام تو نہو۔ لیکن اُس کا نہ کرنا کرنے سے زیادہ راجح ہو۔ پھر ائمہ سلف کی اصطلاح کو اپنی اصطلاح پر محمول کر کے سخت غلطی کی اور خطرناک ٹھوکر کھائی۔ کراہت کو اور "لائق نہیں" کے لفظ کو اس نئے معنی میں لینا ایک ناقابلِ معافی غلطی ہے۔ آپ دیکھیئے کہ یہ لفظ کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ میں شرعی یا قدری ممنوع کے لئے استعمال ہوئے ہیں اور محال اور ممتنع کے لئے۔ جیسے فرمان ہے رحمٰن کے اولاد ہونی لائق نہیں لفظ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ ہیں۔ اور آیت میں ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ ۔ نہ تو ہم نے اپنے نبی کو شعر گوئی سکھائی نہ وہ اُس کے لائق۔ فرمان ہے وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ یعنی نہ تو اس قرآن کو شیطانوں نے اُتارا نہ اُن کے لائق۔ اپنے نبی کی زبانی اپنا ارشاد بیان فرمایا کہ مجھے ابنِ آدم جھٹلاتا ہے اور اُسے یہ لائق نہ تھا مجھے ابنِ آدم گالیاں دیتا ہے اُسے یہ بھی نہیں چاہیئے تھا۔ اور حدیث میں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ سوتا نہیں نہ اُسے سونا لائق ہے۔ اور حدیث میں ہے ریشمی لباس پہننا پرہیزگاروں کے لائق نہیں۔ اس قسم کی اور حدیثیں بھی بہت آئی ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ناموں میں صفتوں میں افعال و احکام میں بے علمی کے ساتھ زبان کھولنا حرام ہے اور مفتی کا فتویٰ اللہ کے دین اور اُس کی شریعت کا ہوتا ہے پس اگر اُس کا فتویٰ مطابقِ شرع نہ ہوا تو اُس نے خدا کے ذمے وہ بات کہی جس کا اُسے علم نہ تھا ہاں جب اُس نے پوری کوشش کر لی ہے اپنی طاقت بھر جد و جہد کر لی ہے پھر حق کی پہچان سے بوجہ بشریت خطا ہو گئی ہے تو اُس پر یہ وعید ثابت نہیں بلکہ اُس کی خطا معاف ہے اور اُسے اپنے اجتہاد پر ثواب حاصل ہے۔ لیکن اُسے اپنے اجتہادی مسائل کو جس میں اُس نے کتاب و سنت کی کوئی صریح دلیل نہ پائی ہو خدا رسول کے نام سے بیان کرنا یعنی یوں کہنا کہ اسے خدا نے حرام کیا ہے یا اسے اللہ تعالیٰ نے مباح کیا ہے یا یہ باری تعالیٰ کا حکم ہے یہ جائز نہیں۔ ربیع بن خثیم فرماتے ہیں اس سے بچو کہ کہدو یہ اللہ نے حرام کیا اس سے اللہ نے منع کیا ایسا نہ ہو کہ اللہ فرمادے نہ میں نے اسے حرام کیا تھا نہ میں نے اس سے منع کیا۔ یہ کہنے سے بھی پرہیز کرو کہ اللہ نے اسے حلال کیا اور خدا کا حکم یہ ہے کہیں ایسا نہو کہ تم غلطی پر ہو اور خدا کا فرمان ہو کہ تو جھوٹا ہے نہ میں نے اسے حلال کیا نہ میں نے اس کا حکم دیا حضرت امام مالکؒ تو اپنے اجتہادی مسائل کی نسبت صاف فرما دیا کرتے تھے کہ یہ ہمارا گمان ہے اور ہمیں یقین نہیں

فصل فتووں کے آلات فتووں کی شرطوں کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ مفتی میں کہاں تک قابلیت ہونی چاہیئے؟ کون فتوے دینے کے منصب پر آسکتا ہے۔ اور کن مواقع پر مفتی کو کہدینا چاہیئے کہ میں نہیں جانتا۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں جب کوئی شخص مفتی بننا چاہے تو اُسے قرآن کی تمام وجوہ کا علم ہونا چاہیئے صحیح سندوں کا علم ہونا چاہیئے۔ سنتِ رسول اور احادیثِ پیغمبر کا علم ہونا چاہیئے۔ اُسے اس کے خلاف کسی کے قول کی طرف مائل نہونا چاہیئے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس نے اس کے خلاف کہا ہے اُسے یہ حدیث نہیں ملی ہوگی یا اُس نے صحیح اور ضعیف کی پہچان میں غلطی کی ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں کسی کے پاس حدیث کی اور اختلافِ صحابہ و تابعین کی کتاب ہو تو اُسے نہیں چاہیئے کہ جس پر چاہے عمل کرے جسے چاہے اختیار کرلے اُسی کے مطابق فتوے دے اور عمل کرے بلکہ اُسے چاہیئے علماء کرام سے پوچھ لے تاکہ صحیح چیز پر اُسے عمل نصیب ہو۔ آپ کا فرمان ہے جب تک کوئی شخص کتاب و سنت کا عالم نہو اُسے فتویٰ دینا جائز نہیں۔ فرماتے ہیں کہ سے پہلے کے علماء کے قول معلوم ہونے چاہئیں ورنہ فتویٰ بازی نہیں کرنی چاہیئے کسی نے آپ سے پوچھا کہ ایک لاکھ حدیثیں یاد کرنے کے بعد انسان فقیہ

نہیں لگتا اس لئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تو اپنے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے - پس یہاں بھی مراد ان لفظوں سے حرمت کا بیان ہے - بلا اختلاف آپ کا مذہب ہے کہ چاندی کی سُرمہ دانی سلائی کا استعمال حرام ہے لیکن لفظ یہی ہیں کہ مجھے یہ اچھی نہیں معلوم ہوتی - اسی طرح جب آپ سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیری زندگی میں اگر میں کسی عورت سے نکاح کروں یا کسی لونڈی کو اپنے بستر کیلئے خریدوں تو اُس عورت پر طلاق ہے اور وہ لونڈی آزاد ہے - آپ نے فرمایا اگر اس نے نکاح کسی اور عورت سے کیا تو میں تو اُسے الگ کرنے کا حکم نہیں دونگا - ہاں مجھے ڈر ہے کہ آزادگی اُس پر لازم ہو جائیگی اس لئے کہ اس کا حکم طلاق کے خلاف ہے - تو آپ سے کہا گیا کہ اچھا اگر کوئی اور اسے لونڈی ہبہ کرے تو؟ آپ نے فرمایا یہ طریقہ تو حیلہ ہے اور میں حیلوں کو مکروہ جانتا ہوں - حالانکہ آپ کا مذہب یہ ہے کہ حیلے حرام ہیں - اور ان سے قسمیں بیکار نہیں کی جاسکتیں - اسی طرح جراب کا سرا گدھے کی کھال کا بنانے کو آپ نے مکروہ کہا ہے اور فرمایا ہے وہ ذبح شدہ جانور کا ہونا چاہئے - حالانکہ آپ اس کی حرمت کے قائل ہیں - خنزیر کے بالوں کی بابت آپ سے سوال ہوا تو جواب دیا کہ مجھے وہ ناپسند ہیں - یہ لفظ بھی حرام کہنے کے قائم مقام ہیں - آپ فرماتے ہیں گدھے کی کھال سے بنانا مکروہ ہے خواہ وہ ذبح کیا ہوا ہو یا نہ ہو - اس کا کرنا اور کرانا دونوں مکروہ ہیں - آپ سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے قسم کھائی ہے کہ وہ فلاں چیز سے نفع نہ اٹھائیگا پھر اُسے بیچ کر اُس کے بدلے کوئی اور چیز کا خرید لینا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا مکروہ ہے یعنے جائز نہیں - گدھی کے دودھ کو آپ مکروہ فرماتے ہیں - یعنے حرام - شراب کے سرکے کو آپ ناپسند بتلاتے ہیں یعنے حرام - پانی کی فروخت کو آپ مکروہ کہتے ہیں ہے حرام خود آپ کے نزدیک بھی - ایسے جوابات آپ کے بہت ہیں اور بکثرت ہیں - اسی طرح اور ائمہ رحمہم اللہ کے بھی - امام محمد بن حسن نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے ہاں جہاں صاف حکم نہ پایا جائے اُس پر لفظ حرام نہ بولا جائے - امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے بھی روایت ہے کہ مکروہ حرام کے بہت ہی قریب ہے - جامع کبیر میں ہے کہ سونے چاندی کے برتنوں میں پینا مردوں عورتوں کے لئے مکروہ ہے - مراد اس سے حرمت ہے - ابو یوسف

اور محمد دونوں سے مروی ہے کہ ریشمی مسندوں پر سونا ریشمی تکیے لگانا مکروہ ہے - یعنے حرام ہے - امام ابو حنیفہ اور اُن کے دونوں شاگردوں کا قول ہے کہ بچوں پر بھی سونا اور ریشم مکروہ ہیں - حالانکہ ان کے شاگردوں نے تصریح کی ہے کہ یہ حرام ہے - اس لئے کہ ان کی حرمت مردوں کے لئے ثابت ہے - اور جس کا پہننا حرام ہے اُس کا پہنانا بھی حرام ہے - جیسے شراب کا پینا حرام تو اُس کا پلانا بھی حرام ہے - اسی طرح سے ان کا قول ہے کہ ریشمی رومالوں کا رکھنا جس سے ناک اور منہ صاف کیا جائے مکروہ ہے مراد اس سے بھی حرمت ہے - کہتے ہیں کہ پاخانے کا فروخت کرنا مکروہ ہے - یعنے حرام ہے - کہتے ہیں کہ انسانوں اور جانوروں کی خوراک کو جمع کرکے روک رکھنا مکروہ ہے جبکہ اُنہیں ضرر پہنچتا ہو اور خوراک کی تنگی ہو - مراد حرمت ہے - کہتے ہیں کہ فتنے کے زمانے میں ہتھیاروں کا فروخت کرنا مکروہ ہے - مراد اُنکی حرام ہونا ہے - امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں مکہ شریف کی زمین بیچنا مکروہ ہے - یعنے حرام ہے کہتے ہیں شطرنج کھیلنا مکروہ - یعنے حرام ہے - کہتے ہیں کسی غلام وغیرہ کے گلے میں طوق ڈال دینا جس سے وہ ہل جُل نہ سکے مکروہ ہے یعنے حرام ہے الغرض سب کے کلام میں مکروہ بمعنی حرام اکثر مروی ہے - اب مالکیوں کی سنئے اُن کے نزدیک مکروہ - حرام اور مباح کے درمیان کی چیز ہے وہ اُس پر جواز کا اطلاق کبھی نہیں کرتے - کہتے ہیں کہ کچلیوں والے درندوں کا کھانا مکروہ ہے مباح نہیں - خود حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اکثر جوابوں میں حرام پر مکروہ کا اطلاق کیا ہے - چنانچہ شطرنج کے کھیل کو آپ مکروہ کہتے ہیں اُن کے اکثر شاگرد اُسے حرام پر محمول کرتے ہیں گو بعض کراہت پر بھی محمول کرتے ہیں جو حرمت سے کم درجہ ہے - امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شطرنج کا کھیل بیہودہ اور باطل کے مشابہ ہے میں اُسے مکروہ جانتا ہوں ہاں مجھ پر اس کی حرمت ظاہر نہیں ہوئی - پس آپ نے مکروہ ہونے کو صاف طور پر بیان فرمایا ہاں حرمت کے بیان میں توقف فرمایا - پس یہ کہنا تو کسی طرح صحیح نہیں کہ اُن کے نزدیک یا اُن کے مذہب میں شطرنج کھیلنا جائز یا مباح ہے نہ آپ نے یہ فرمایا نہ کوئی ایسے الفاظ کہے بلکہ یہی کہنا درست ہے کہ آپ نے اُسے مکروہ کہا ہاں حرام ہونے کی صراحت نہیں کی - پس کہاں یہ اور کہاں یہ کہدینا کہ اُن کے مذہب میں جواز اور اباحت ہے - اسی طرح آپ نے زنا کی لڑکی سے نکاح کرنے کو مکروہ فرمایا ہے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ

چاہئیں اور خواہشِ نفس کے پیچھے نہ لگنا چاہئے ورنہ راہِ خدا سے بھٹک جائیگا۔ جو لوگ راہِ خدا سے بھٹک جاتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہیں کیونکہ وہ حساب کے دن کو بھولے ہوئے ہیں۔ پس اس آیت میں بھی لوگوں کے درمیان حکم احکام جاری کرنے کے دو ہی طریقے بیان فرمائے یا تو حق یعنی وہ جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے یا ناحق یعنے اپنے دل سے جوڑ جاڑ کر قرآن و حدیث کے خلاف۔ اور آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الخ یعنے ہمنے آپ تجھے اس امر کی شریعت پر کر دیا ہے پس تو اسی کی تابعداری کر اور بے علموں کی خواہشوں کے پیچھے نہ پڑ وہ تجھے اللہ کے ہاں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔ یہ ظالم تو آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اور پرہیزگاروں کا ولی خود اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ پس یہاں بھی دو ہی صورتیں بیان فرمائیں ایک یہ کہ خدا کی شریعت پر عمل کرنا اور اس وحیِ خدا کا حکم دینا اور دوسرے یہ کہ بے علموں کی خواہشوں کی تابعداری کرنا۔ پس پہلی بات کا حکم دیا اور دوسری بات سے منع فرمایا۔ اور آیت میں ارشادِ خداوندی ہے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ یعنے لوگو! جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اُتارا گیا ہے اُسی کی پیروی کرو اُس کے سوا دوسرے اولیاؤں کے پیچھے نہ لگو۔ افسوس تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کر رہے ہو۔ پس اس آیت میں بھی اپنے اُتارے ہوئے احکام کی پیروی کرنے کا خصوصیت سے حکم دیا اور صاف بتلادیا کہ اس کے سوا اور چیز کی پیروی کرنا اُس کے سوا دوسرے اولیا کے پیچھے لگ جانا ہے۔ اور آیت میں فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ الخ ایمان والو اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبِ امر ہیں پھر اگر تم میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑا پڑ جائے تو اُسے اللہ اور رسول ہی کی طرف لوٹاؤ اگر تم میں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہے یہی بہتر ہے اور یہی انجام کے لحاظ سے اچھا ہے۔ اس آیت کے اس نکتے پر خیال فرمایئے کہ اَطِيْعُوْا کے لفظ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا اسی طرح اپنے نبی کے لئے بھی فرمایا۔ اُس کے ساتھ یہ قید نہیں رکھی کہ جب فرمانِ رسولؐ کتابِ خدا کے مطابق ہو بلکہ اپنے رسولؐ کی اطاعت مستقل واجب کی جیسے کہ خود اپنے احکام کی۔ بلکہ آپ کا ہر حکم واجب التعمیل ہے خواہ وہ حکم کلام اللہ شریف میں ہو یا نہو حضورؐ کو جہاں کتاب اللہ دی گئی ہے وہیں اُسی کے ساتھ اُسی جیسی اور چیز دی گئی ہے اور وہ خود آپ کی اپنی حدیثیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت مستقل فرض نہیں کی گئی بلکہ فعل کو یہاں پر حذف کر کے یعنے اَطِيْعُوْا کا لفظ نہ کہہ کر انکی فرمانبرداری اطاعتِ رسولؐ کی ماتحتی میں کر دی اور آگاہ کر دیا کہ صاحبِ حکومت یا صاحبِ علم کی فرمانبرداری پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کی موافقت میں ہے تو خلاصہ صرف اسقدر ہوا کہ ان صاحبِ امر لوگوں میں سے جو فرمانِ رسول کے ماننے کا حکم کرے اُسکی مانی جائے اور جو فرمانِ رسول کے خلاف کہے اُس کی ماننا حرام ہے بلکہ اُس کی سُننا بھی حرام ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں نہیں۔ اور حدیث میں ہے اطاعت صرف معروف میں ہے۔ اولی الامر کی نسبت صاف فرمان ہے کہ ان میں سے جو بھی خدا رسول کی نافرمانی کا حکم دے تو نہ سننا ہے نہ ماننا۔ کیا وہ واقعہ یاد نہیں کہ جب اولی الامر میں سے ایک کے فرمان سے کہ اس آگ میں کود جاؤ بعض لوگوں نے اُس میں کود پڑنے کا ارادہ کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اُس میں کود پڑتے تو ہمیشہ آگ میں ہی رہتے۔ باوجودیکہ اُن کا آگ میں کودنا اپنے امام اور اولی الامر کے فرمان کے ماتحت تھا جس کی بجا آوری وہ اپنے اوپر واجب جانتے تھے۔ لیکن چونکہ اُن لوگوں نے اپنی سمجھ پر زور نہ دیا اور خدا کی نافرمانی پر صرف اولی الامر کے حکم سے تیار ہوگئے اور اطاعت کے حکم کو عام رکھا اور اُس میں اُسے بھی داخل کر لیا جو شارع علیہ السلام کی منشاء میں داخل نہ تھا بلکہ دین میں اُس کے خلاف معلوم تھا باوجود اس کے اُنہوں نے اعلیٰ کوشش سمجھنے کی نہ کی اور اپنے تئیں ہلاک کرنے اور اپنی جانوں پر عذاب کرنے کی ٹھان لی بغیر ثبوت اور دلیل کے کہ یہ اللہ رسول کی اطاعت ہے یا نہیں؟ پس جب اتنی معمولی سی غلطی پر یہ وعید ہے کہ وہ اگر ایسا کر لیتے تو جہنمی بن جاتے تو پھر اُن لوگوں کی سزا کا تو تصور کرو جو اُن احکام کا خلاف کریں جو خدا کے رسول کے ساتھ کے بھیجے ہوئے دین کے صریح احکام ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ہر اختلاف و تنازع کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا حکم دیا اور فرمادیا کہ اگر وہ سچے ایماندار ہیں تو انہیں یہی کرنا چاہئے۔ ساتھ ہی فرمادیا کہ یہی دُنیوی اعتبار

ہو جاتا ہے؟ فرمایا نہیں پوچھا دو لاکھ کے بعد؟ فرمایا نہیں۔ دریافت کیا اچھا تین لاکھ؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا چار لاکھ؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ ہلا کر اشارہ کر دیا خود حضرت امام صاحبؒ کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔ ابو اسحٰقؒ جب جامع منصور میں مفتی کے عہدے پر بیٹھے تو اُن سے کسی شخص نے کہا کہ آپ کو تو حدیث کی اتنی مقدار یاد نہیں آپ نے فرمایا اللہ تجھے معاف فرمائے میں تو لوگوں کو انکے اقوال بتلاتا ہوں جنہیں اتنی مقدار یاد تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ قاضی ابو یعلےؒ فرماتے ہیں بہ ظاہر تو اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اتنی زبردست تعداد حدیث کی یاد نہ ہو کوئی شخص مجتہد نہیں ہو سکتا لیکن یہ محمول ہے احتیاط پر اور مفتی کی سخت شرط پر۔ اس کے بعد آپ نے امام ابو اسحٰقؒ کا مندرجہ بالا واقعہ ذکر فرمایا اس واقعہ سے بھی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ابو اسحٰقؒ امام احمدؒ کے مقلد تھے ہرگز نہیں بلکہ اُنہوں نے کتاب العلل کے حاشیے پر خود لکھا ہے کہ بغیر علم کے فتویٰ دینا منع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اُس میں زبان نہ کھولو۔

میں کہتا ہوں اس بارے میں اصحاب احمد کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ تقلیدی طور پر فتویٰ دینا جائز نہیں اس لئے کہ تقلید علم نہیں اور فتویٰ بے علمی پر دینا حرام ہے۔ اس بارے میں تو تمام علما متفق ہیں کہ تقلید علم نہیں اور مقلد شخص پر عالم کا لفظ بول نہیں سکتے۔ یہی قول اکثر اصحاب مالک کا ہے اور جمہور شافعیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خود اُس کے اپنے نفس کے لئے تو جائز ہے اور دوسرے کو بتانے کے لئے تقلیداً کوئی بات کہہ دینی جائز نہیں۔ ابن بطہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ چنانچہ ابن بطہ نے جو رسائل برمکی کو لکھے ہیں اُن میں لکھا ہے کہ فتویٰ پوچھنے والے کو کسی عالم کی تقلید کر کے کوئی مسئلہ بتلا دینا جائز نہیں۔ خود اپنے لئے مان لینا اور بات ہے اور دوسرے کو اُس کا فتویٰ دینا یہ تو کسی طرح جائز نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حاجت کے اور کسی مجتہد عالم کے نہ ہونے کے وقت جائز ہے یہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے۔ ابو الحسین بن بشر کہتے ہیں جسے امام احمد کے پانچ مسائل یاد ہوں اور وہ کسی مسجد کے ستون سے ٹیک لگائے بیٹھ کر لوگوں کو وہ مسائل بتلائے تو میرے نزدیک تو کوئی عیب کی بات نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں خدا کے دین میں فتویٰ دینا صرف اُسی کو حلال ہے جو کتاب اللہ کا ماہر ہو ناسخ منسوخ محکم متشابہ تاویل تنزیل مکی مدنی مراد و مطلب سے آگاہ ہو۔ پھر ساتھ ہی حدیثوں میں بھی بالغ نظر ہو ناسخ منسوخ کو خوب جانتا ہو جس طرح قرآن میں مہارت ہو ایسی ہی مہارت حدیث میں بھی ہو۔ پھر لغت کا شعر کا اور قرآن و حدیث میں جو چیزیں کام آتی ہیں اُن کا عالم ہو۔ پھر انصاف کے ساتھ ان کا استعمال کرتا ہو اور شہریوں کے اختلاف پر بھی اطلاع رکھتا ہو اور استنباط و اجتہاد کا ملکہ بھی رکھتا ہو۔ جب یہ سب اوصاف جمع ہوں تو وہ شریعت میں کلام کرنے اور حلال حرام کے فتوے دینے کا اہل ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ حضرت امام احمدؒ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی شخص سمجھدار نہ ہو وہ حدیث میں جو پائے اُس پر فتویٰ دے سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جب کوئی فتوے دینے کے عہدے پر آنا چاہتا ہو تو اُس کے لئے حدیثوں کا قرآن کا سند حدیث کا عالم ہونا ضروری ہے پھر مندرجہ بالا مقولہ بیان فرمایا۔ ابن المبارک سے پوچھا گیا کہ انسان مفتی ہونے کے قابل کب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب حدیثوں کا عالم ہو۔ رائے کا حافظ ہو۔ یحییٰ بن اکثم نے اسی سوال کے جواب میں یہی کہا ہے۔ یہ یاد رہے کہ رائے سے مراد ان دونوں بزرگوں کی صحیح قیاس اور صحیح مطالب اور صحیح علتیں ہیں جن پر شارع علیہ السلام نے احکام معلق رکھے ہوں اور انہیں اثر ڈالنے والی علتیں بنائی ہوں جو ہر طرح حکم میں اثر رکھتی ہوں

فصل دین خدا میں رائے سے فتوے دینے کی حرمت کے بیان میں۔ جو رائے قرآن حدیث کے مخالف ہو۔ اور جس رائے کی قبولیت کی دلیل قرآن حدیث میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ الخ یعنے اگر یہ لوگ تیری باتیں نہ مانیں تو سمجھ لے کہ یہ خواہش پرست ہیں جو بھی خدا کی ہدایت کے بغیر اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے پڑ جائے اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کوئی نہیں اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ خیال کیجئے کہ اس آیت میں امر کی تقسیم صرف دو چیزوں کی طرف کی ہے تیسری کوئی چیز نہیں۔ یا تو خدا کی اور اُس کے رسول کی بات یعنی اور وحی الٰہی کی پیروی کرنی۔ یا اتباع ہوی یعنے خواہش کی پیروی۔ پس جو کچھ قرآن حدیث میں نہ ہو وہ خواہش ہے۔ اور آیت میں ہے يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ الخ یعنے اے داؤدؑ ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس تجھے لوگوں کے درمیان حق فیصلے کرتے

بلکہ اس کے سوا کے حکم پر راضی رہتے ہیں پھر جب ان کے اس گناہ یعنے
رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے منہ پھیر لینے اور دوسرے
کو حاکم مان کر اُس کی طرف اپنا تنازع اور اختلاف لے جانے کے باعث
خدائی عذاب اُن پر آپڑتے ہیں اُن کی عقل ہیں دین میں جان میں
مال میں دیکھنے سننے میں جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو بہانہ بناتے ہیں
کہ ہمارا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ وہ کام کیا جائے جس سے دونوں فریق راضی
رہیں آپس میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہو بلکہ موافقت ہو جائے یہی کام ان
لوگوں کا ہے جو اُس میں تطبیق اور توفیق اور یگانگت پیدا کرنی چاہتے ہیں
جو رسول لائے اور جو اُس کے مخالف ہے اور اپنے طور پر گمان یہ کرتے ہیں کہ
ہم بہت ٹھیک کام کرتے ہیں ہمارا مقصود اصلاح اور موافقت ہے، حالانکہ
تقاضائے ایمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے
جو چیز بھی مخالف ہو اُس سے مخالفت بلکہ لڑائی کی جائے خواہ وہ طریقت
ہو یا حقیقت ہو عقیدہ ہو یا سیاست ہو رائے ہو یا سمجھ ہو پس ایمان تو اس
میں ہے نہ کہ ان کی من مانی ملاوٹ اور بناوٹ میں سچ تو یہ ہے کہ توفیق
اللہ عزّ وجل کے ہاتھ میں ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے اپنے نفس کریم کی قسم کھا کر
فرمایا کہ جبتک بندگان خدا اپنے تمام تر چھوٹے بڑے اختلافات کا فیصلہ رسولِ
کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کرائیں اُن میں ایمان نہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ
اپنے دلوں میں اُس کی قبولیت سے اور اپنے سینوں میں اُس کی سچائی سے
کوئی تنگی ترشی بھی نہ پائیں پھر اس پر بھی بس نہ کر کے فرمایا کہ ساتھ ہی تسلیم و
رضا اور عمل و ماتحتی بھی ہو۔ اور آیت میں ہے کہ مومن مرد و عورت کو اللہ
رسول ؐ کے فیصلے کے بعد اپنے کاموں کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ پس
خدا اور اُس کے رسول ؐ کے فرمان کے بعد کسی مسلمان کو بجز مان لینے اور عمل
کر لینے کے چارہ نہیں۔ اگر ایسا نہیں تو وہ مسلمان بھی نہیں بلکہ کھلّم کھلّا گمراہ
اور بہکا ہوا ہے۔ اور آیت میں ہے کہ ایمان والو اللہ و رسول ؐ سے آگے
نہ بڑھو اللہ سے ڈرتے رہو اللہ سُننے والا جاننے والا ہے یعنے جب تک وہ
نہ فرمائے تم زبان نہ کھولو جب تک اُس کا حکم نہ ہو لے تم حکم نہ کرو جب تک
وہ فتویٰ نہ دے تم فتویٰ نہ دو کسی کام کا فیصلہ تم اپنی طرف سے نہ کر دیا کرو
یہانتک کہ وہی اُس کا فیصلہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
فرماتے ہیں کتاب و سنّت کے خلاف زبان نہ کھولو۔ آپ فرماتے ہیں سب
کو منع کر دیا گیا کہ آپ کے فرمان سے پہلے کچھ کہیں۔ پس اس آیت کی صحیح اور
مختصر تفسیر یہ ہوئی کہ کسی بات یا کام میں جلدی نہ کرو اس سے پہلے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں یا کریں۔ اور آیت میں ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ الخ ایمان والو اپنی آوازیں نبی ؐ کی آواز سے
بلند نہ کرو اُن کے سامنے اونچی آواز سے اس طرح نہ بولا کرو جس طرح اپنے آپس
میں بولا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے خبری میں ہی تمہارے اعمال اکارت
ہو جائیں۔ پس جس کی آواز پر آواز بلند کرنا تمام نیکیوں کی بربادی کا ذریعہ ہو
اُس کے فرمان پر رائے اور عقل کو ذوق اور سیاست کو وجدان و معارف کو
مقدم کرنا اور بلند کرنا خیال کر لو کہ کس درجہ کا ہوگا ؟ اور آیت میں ہے کہ مومن
تو صرف وہی ہیں جو اللہ رسول کو مانیں اور کسی اہم کام کے لئے آپ کیساتھ
ہوں تو آپ کی اجازت بغیر جائیں نہیں۔ پس جبکہ لوازم ایمان میں سے یہ بھی
ہے کہ آپ کے ساتھ جب ہوں تو کسی راہ نہ جائیں جبتک آپ اجازت نہ دیں
پھر یہ بات تو بطور اولیٰ ایمان کے لوازم میں سے ہوگی کہ کسی مذہب و علمی قول
کی طرف کوئی جائے جبتک کہ آپکی اجازت نہ ہو۔ آپکے بعد آپکی اجازت آپ کی
احادیث سے معلوم ہوگی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا ہے وہ دیدینے کے
بعد تم سے چھین نہ لیگا ہاں علماء کی موت علم کی موت ہوگی پھر تو جاہل لوگ
باقی رہ جائینگے جنہیں لوگ اپنا سردار بنا لینگے اُنہی سے مسائل پوچھینگے وہ اپنی
رائے سے فتویٰ دینگے خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے یہی
روایت جب حضرت عروہ کی زبانی حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو
کی روایت سے سُنی تو انہیں بہت بڑی معلوم ہوئی اور دل نہ مانا ایک سال
بعد اپنے بھانجے سے فرمایا کہ اب کی مرتبہ بھی وہ حج کو آرہے ہیں تم اُن سے
مل کر علم کے بارے کی اسی حدیث کو پھر دریافت کرو انہوں نے پھر پوچھا
آپ نے پھر یہی حدیث اُسی طرح بیان فرمائی جس طرح سال بھر پہلے کے
حج میں بیان فرمائی تھی اب تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بیشک وہ
سچے ہیں اور اُنہوں نے بغیر کمی زیادتی کے حدیث کو پوری طرح یاد رکھا
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اُمت ستّر سے اوپر اوپر
فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی سب سے زیادہ فتنے والا وہ فرقہ ہوگا جو دینی امور
میں رائے قیاس لگائینگے اور اس سے خدا کے حلال کو حرام اور اُس کے حرام

سے بہتر ہے اور یہی انجام کے لحاظ سے عمدہ ہے۔ یہ آیت اور بھی بہت سی باتوں کو شامل ہے۔ ایک تو یہ کہ بعض احکام میں مومن بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہ اختلاف انہیں ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ چنانچہ خود صحابہ میں بھی بہت سے مسائل میں اختلاف ہوا باوجودیکہ وہ تمام اور مومنوں کے سردار ہیں اور ساری امت سے زیادہ کامل ایمان والے ہیں۔ لیکن یہ اللہ کی رحمت ہے کہ خدا تعالیٰ کے اسما و صفات اور افعال کے بارے میں ان بزرگانِ دین میں مطلقاً اختلاف نہ تھا بلکہ اول سے آخر تک سارے کے سارے اس بارے میں متفق اللفظ اور ایک زبان تھے اور جو قرآن و حدیث نے کہا ہے وہی کہتے تھے نہ تو واہی تباہی ولیلیں کرتے تھے نہ اس کی جگہ سے اسے ہٹاتے تھے نہ کسی کو باطل ٹھہراتے تھے نہ اُن کی مثالیں بیان کرتے تھے نہ انہیں رد کرتے تھے نہ اُن میں سے کسی نے ان خدائی ناموں اور صفتوں اور کاموں کی آیتوں اور حدیثوں کی نسبت اس بات کو جائز کہی کہ انہیں حقیقت سے گھما کر مجاز کی طرف پھیر دی جائیں بلکہ سب کو جس طرح وہ تھیں قبول و منظور کیا اور ایمان و عزت سے انہیں تسلیم کیا اور سب کو یکساں مانا اور ایک ہی طریقے سے تسلیم کیا اور خواہش پرستوں اور بدعتیوں کی طرح نہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کیا نہ یہ کیا کہ بعض کا اقرار اور بعض کا انکار۔ اقرار بھی بے دلیل اور انکار بھی بے سند۔ باوجودیکہ جس انکار میں جس بات سے بھاگے تھے وہی اقرار کے وقت سامنے آگئی الغرض ایمانداروں کا اختلاف احکام کے مسائل میں جبکہ وہ اس کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے کرلیں حقیقت ایمان میں داخل ہے ہاں اگر وہ اُن مسائل کو اللہ رسول کی طرف نہ لوٹائیں تو پھر ایمان کا حکم بھی اُن پر صادق نہ آئیگا جیسے کہ آیت میں شرط لگائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو حکم کسی شرط پر معلق رکھا جائے وہ شرط کے نہونے سے اُٹھ جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسائل شرعیہ سب کے سب چھوٹے بڑے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں موجود ہیں اگر نہ ہوتے تو پھر ان کی طرف اختلاف کے لوٹانے کے حکم سے کیا فائدہ؟ شیٔ کا لفظ نکرہ ہے اور بیانِ شرط میں ہے اس لئے بقاعدہ عربیت مسلمانوں کے تمام اختلافات کو جو مسائلِ دین میں ہوں شامل ہے خواہ وہ کوئی معمولی سا مسئلہ ہو یا غیر معمولی چھوٹا ہو یا بڑا چھپا ہو یا کھلا۔ تیسرے یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب اللہ قرآن کریم کی طرف لوٹانا ہے اور رسول کی طرف لوٹانے سے مراد آپ کی حیات میں تو آپ کی اپنی ذاتِ گرامی کی طرف لوٹانا ہے اور آپ کے بعد آپ کی سنت وحدیث کی طرف اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ چوتھے یہ کہ اس طرح ایسے وقت اس کی طرف لوٹانا موجبات و لوازم ایمان میں سے ہے پس اگر یہ نہیں تو ایمان بھی نہیں۔ جب لازم نہیں تو ملزوم بھی نہیں یہ مانی ہوئی بات ہے اور یہاں تو خصوصیت کے ساتھ دونوں جانب سے تلازم ہے پس ہر ایک دوسرے کے نہونے کے وقت نہیں ہوتا۔ پھر باری تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کتاب وسنت سے اپنے اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ہی آغاز و انجام کے لحاظ سے بہتر ہے۔ اس کے بعد خبر دی ہے کہ جو شخص سنت و حدیث اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیز کے سوا اور طرف اپنا تنازع اور اختلافات لے جائے اُس نے طاغوت کو حاکم ٹھیرایا۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس کی عبادت کی جائے یا جسکی پیروی کی جائے یا جسکی اطاعت کی جائے اور اس کی مانی جائے اور ان کاموں میں شرعی حد سے تجاوز کرلیا جائے اُسی کا نام طاغوت ہے۔ پس اللہ رسول کے سوا جس کے پاس سے اپنے جھگڑے اور اختلافات کے فیصلے ٹٹولے جائیں وہ طاغوت ہے اور ایسے لوگ طاغوت پرست ہیں۔ اسی طرح اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے اور ایسے لوگ طاغوت پرست ہیں۔ اور جس کی پیروی بغیر خدا کے فرمان کے کی جائے وہ بھی طاغوت ہے اور ایسے لوگ بھی طاغوت پرست ہیں۔ اور جس کی اطاعت کی جائے اور اُس کی بات مان لی جائے بغیر اس علم کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت ہے وہ بھی طاغوت ہے اور ایسے لوگ بھی طاغوت پرست ہیں۔ پس لوگوں کے طاغوت یہ ہیں تم ذرا سا بھی غور کروگے لوگوں کے احوال اور اُن کے بنائے ہوئے سرداروں کے حالات اپنے سامنے رکھوگے تو دیکھ لوگے کہ اکثر لوگ خدا کے سوا طاغوت کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کو حاکم بنانے کے عوض طاغوت کو حکم مانے ہوئے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی اتباع اور اطاعت کے بجائے اکثر لوگ طاغوت کی عبادت و اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ تمام لوگ نجات و فلاح پانے والے اُمتیوں یعنے صحابہ کی اور اُنکے متبعین کی روش پر نہیں ہیں۔ نہ ان کا مقصود اُن کے مقصود جیسا ہے۔ بلکہ راہ روی میں اور مقصد میں دونوں باتوں میں یہ اُن کے خلاف ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کی بابت خبر فرمایا ہے کہ جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے ہوئے اور رسول کی طرف آؤ۔ تو یہ اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور ایسا کہنے والے کی مان کر نہیں دیتے۔ بلکہ اسکے

فرمایا اے اپنی جان کے دشمن تو لوگوں کو اپنی رائے سے فتوے دینے لگا؟ انہوں نے جواب دیا اے امیر المومنین میں نے اپنی رائے سے کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ میں نے تو رفاعہ بن رافع وغیرہ سے سنا ہے آپ نے فرمایا جاؤ انہیں بلالاؤ جب وہ آگئے تو آپنے اُن سے دریافت فرمایا کہ کیا تم یہ کہتے تھے؟ کہ جب تم میں سے کوئی اپنی عورت کے پاس جائے پھر سست پڑ جائے تو غسل کرلے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا کرتے تھے اللہ کی طرف سے اس کی حرمت نازل نہیں ہوئی نہ حضورؐ نے کوئی فرمان فرمایا آپنے پوچھا کہ کیا اس بات کا علم حضورؐ کو بھی تھا؟ جواب دیا کہ اسے میں نہیں جانتا آپ نے حکم دیا کہ مہاجرین والانصار کو جمع کرو سب جمع ہوئے اور آپ نے ان سے مشورہ لیا سب نے کہا کہ اس صورت میں غسل نہیں سوائے حضرت معاذؓ اور حضرت علیؓ کے ان دونوں نے فرمایا کہ جب ختنہ گاہ ختنہ گاہ سے تجاوز کر جائے غسل واجب ہو جائیگا آپ نے فرمایا افسوس! تم لوگ بدری صحابی ہو کر آپس میں اختلاف کررہے ہو تو تمہارے بعد والے تو تم سے بھی زیادہ اختلاف میں پڑینگے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا آپ اتنا تردد کیوں کریں؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ کی اس حالت سے سب سے زیادہ باخبر ہونگی آپنے اُسی وقت حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آدمی بھیجا وہاں سے جواب آیا کہ مجھے اسکا علم نہیں آپنے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کرایا تو آپ نے فرمایا جب ختنہ گاہ ختنہ گاہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے۔ اب فیصلۂ فاروقی یہ سرزد ہوا کہ جو اس قول کے خلاف کہیگا میں اسے سزا دونگا۔ "حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے رائے کی مذمت کے اقوال" آپ فرماتے ہیں تم پر جو سال آئیگا وہ گذشتہ سال سے بُرا ہوگا میرا یہ مطلب نہیں کہ سرداری کی حیثیت سے بُرا ہوگا پیداوار کے لحاظ سے بُرا ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے فقہا چل بسینگے اُن کے جانشین باقی نہیں رہینگے پھر وہ لوگ آئینگے جو شرعی مسائل میں رائے کو دخل دینگے۔ اور روایت میں ہے کہ ان کے ہاتھوں اسلامی عمارت گر پڑیگی۔ آپ فرماتے ہیں تمہارے علما مرجائینگے پھر لوگ جاہلوں کو امام بنالینگے جو امورِ دین میں رائے قیاس لگائینگے۔ ارشاد ہے کہ تجھے جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب سے سکھائے اُس پر اللہ کی حمد وثنا کر اور جو نہ آئے اُسے اُس کے جاننے والے کے حوالے کر اور خود تکلف کر کے

گھڑ نہ لے دیکھ اللہ ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آپ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر اس میں پاتے تو تم سے اس پر کوئی عوض، تو نہ پاتے تو حدیث رسول اللہ کو دیکھتے اور کہدوں۔ فرماتے ہیں یوں ۔ ہیں بھی عاجز آ جاتے تو لوگوں کو سے پہلے کے لوگوں کا ستیاناس ا کہ اس مسئلہ کی حدیث معلوم ہے؟ دوڑاؤ ورنہ ثابت قدمی کے بعد بھی لغزش ا ہیں رسول اکرم صلی جائے جسکا تمہیں علم نہ ہو تو بے جھجک کہدو کہ میں نہیں جانتا گئے تو بڑے علم ہے۔ جس نکاح میں مہر کھولا نہ گیا ہو اُس کے بارے میں آپنے فرمایا ہے میں اس مسئلے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہ ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اُسکا رسول اس سے بری ہیں۔ "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذمتِ رائے کے اقوال" جحفہ میں آپکے سامنے تمتع کا ذکر ہوا یعنے حاجی عمرہ ادا کرکے احرام کھول ڈالے پھر حج کا احرام آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو الگ باندھے تو آپ نے فرمایا حج کو پورا کرو اور حج کے مہینوں میں خالص حج ہی کرو کاش کے تم اس عمرے کو پیچھے کردیتے کہ تمہیں دو دفعہ بیت اللہ شریف کی زیارت نصیب ہوتی تو کتنی بڑی فضیلت حاصل ہوتی اللہ نے اپنے فضل سے تمہیں ہر طرح کشادگی دے رکھی ہے یہ سُنکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ ایک سنت کی طرف قصد کررہے ہیں اور اللہ تعالے نے جو رخصت اپنے بندوں کو اپنی کتاب میں عطا فرما رکھی تھی اُس بارے میں آپ اُن پر تنگی کررہے ہیں اور اُس سے روک رہے ہیں حاجت والوں اور دور دراز والوں کیلئے یہ ہے پھر فرمایا لو میں حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھتا ہوں۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے مجمع میں آئے اور فرمایا کیا میں نے تمہیں تمتع سے منع کیا ہے؟ سنو میں ہرگز نہیں روکتا وہ تو میں نے اپنی ایک رائے کی طرف اشارہ کیا تھا جو چاہے مان لے جو چاہے شوق سے چھوڑ دے۔ خیال فرمائیے! کہ حضرت عثمانؓ اپنی رائے کا ماننا اس اُمت پر ضروری نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں اسے لینے اور ترک کرنے کا ہر شخص مختار ہے بخلاف سنت رسول اللہؐ کے کہ اُس کا چھوڑ دینا کسی کے قول کی بنا پر جائز نہیں بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ "حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے رائے کی مذمت میں اقوال" آپ فرماتے ہیں اگر دین میں رائے کا دخل ہوتا تو جراب کے نیچے کے حصے کا مسح

کو حلال کر دینگے امام ابو عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں یہ اُس قیاس کی بابت ہے جو بے اصل ہو اور جو کلام دین میں اٹکل اور گمان سے کیا گیا ہو۔ دیکھو خود حدیث میں ہے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دینگے ظاہر ہے کہ حلال کی حلت قرآن حدیث میں موجود ہے اور حرام کی حُرمت بھی پس جو اس سے ناواقف ہوگا اور سائل کے سوال کا جواب بے علمی سے دیگا اور اپنی رائے سے قیاس کرے گا یقیناً وہ اس کے باعث سنت سے نکلجائیگا۔ پس یہ ہے وہ جس نے امورِ دین میں اپنی رائے سے قیاس لگایا اور خود بھی بہکا اور دوسروں کو بھی بہکایا اور جو فروع کو اُن کے اصول کی طرف لوٹائے اُس نے اپنی رائے سے نہیں کہا۔ اہلِ علم کے ایک گروہ کا قول ہے کہ جس کا اجتہاد اُسے کسی رائے کے دیکھنے کی طرف پہنچائے اور اُس پر اتبک اسکی کوئی دلیل ظاہر نہ ہوئی ہو تو وہ بُرا نہیں بلکہ وہ معذور ہے چاہے وہ سلف میں سے ہو یا خلف میں سے۔ اور جس پر دلیل کھل جائے پھر بھی وہ سرکشی کرے اور اپنی بات پر اَڑا رہے یا کسی اور کی بات پر اَڑا رہے وہ البتہ مندرجہ بالا حدیث کی وعید میں داخل ہے مسند عبید بن حُمید میں ہم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے

فصل "صدیقِ امت اور اس امت کے سب سے بڑے عالم کے فرمان ردِ رائے میں" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے کونسی زمین اپنے اوپر چلنے دیگی اور کونسا آسمان مجھے اپنے سایے تلے رکھیگا اگر میں کتاب اللہ کی کسی آیت میں اپنی رائے سے یا بے علمی سے کچھ کہدوں۔ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم نہ ہو پھر زبان کے کھولنے میں سب سے زیادہ ڈرنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت الصدیق رضؓ کے پاس ایک مرتبہ ایک قضیہ آیا آپنے کتاب اللہ میں اُس کی اصل نہ پائی نہ سنتِ رسول اللہ میں کوئی اثر ملا تو آپنے اجتہاد کیا پھر فرمایا یہ میری رائے اگر ٹھیک اور درست ہو تو منجانب اللہ سمجھنا ورنہ میری اپنی طرف سے سمجھنا اللہ مجھے معاف فرمائے۔

فصل "رائے کی مذمت میں حضرت عمرؓ کے اقوال" آپنے ایک مرتبہ ممبر پر فرمایا کہ رائے میں صحت والے تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے آپ کو خود خدائے تعالیٰ سجھاتا تھا اور ہماری رائے تو صرف اٹکل اور تکلف ہے آپنے جو فرمایا کہ باری تعالیٰ حضورؐ کو سجھاتا تھا اس سے مراد یہ آیت ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ یعنے ہمنے آپ تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اُتاری ہے کہ تو لوگوں میں وہ فیصلے کرے جو اللہ تجھے سجھائے۔ پس جو آپ دیکھیں وہ خدا کا دکھایا ہوا ہوتا ہے اور ہماری رائے محض تخمینہ اور تکلف ہے۔ آپ کے منشی نے ایک مرتبہ ایک پرچہ پر لکھا کہ یہ وہ ہے جو اللہ نے دیکھا اور عمر نے دیکھا تو آپ نے فرمایا تو نے بُری بات کہی یوں کہہ یہ رائے ہے عمر کی پس اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ٹھیک نہ ہو تو عمر کی طرف سے ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ سنت وہ ہے جو اللہ اور اُس کا رسولؐ مقرر کرے۔ رائے کی خطا کو امت کے لئے سنت نہ بنادو۔ فرماتے ہیں کہ رائے والے حدیث کے دشمن ہیں ان پر اس کا حفظ مشکل ہو پڑا حدیثیں ان سے بھاگ چھوٹیں یہ انہیں روایت نہ کر سکے اور انہیں رائے سے تباہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں دینی مسائل میں رائے لگانے سے بچتے رہو۔ فرماتے ہیں اہلِ رائے حدیثوں کے دشمن ہیں انہیں حدیثیں یاد نہیں رہتیں انکے حافظے سے نکل جاتی ہیں اور جب مسائل دریافت کئے جاتے ہیں تو یہ اس کہنے سے شرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے پھر اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں جو حدیثوں کے خلاف ہوتے ہیں پس تم ان سے بالکل علیحدہ رہنا اور انہیں بھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دینا۔ اور روایت میں ہے یہ خود بھی بہک گئے اور دوسروں کو بھی بہکایا۔ اور بھی بہت سی روایتیں آپ سے اسی کے ہم معنیٰ مروی ہیں اور سب کی سب بالکل صحیح ہیں۔ آپ فرماتے ہیں لوگو دین کے معاملے میں رائے کو تہمت لگاؤ۔ میں نے اپنے تئیں دیکھا کہ میں اپنی رائے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کو لوٹانے کی خوب کوشش کر رہا تھا یہ واقعہ ابی جندل کے دن کا یعنے حدیبیہ کی لڑائی کا ہے جبکہ صلح نامہ مرتب ہونے لگا آپنے فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مشرکوں کے سردار نے کہا کہ یوں نہیں بلکہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھا جائیگا حضورؐ تو رضامند ہوگئے لیکن میں برابر انکاری رہا۔ آخر میں آپ نے فرمایا اے عمر! تو دیکھ رہا ہے کہ میں رضامند ہوگیا پھر بھی تو انکاری ہے۔ رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا جو ایک شخص آیا اور کہا یہ ہیں زید بن ثابت مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو اپنی رائے سے غسل جنابت کے بارے میں فتوے دے رہے ہیں آپ نے فرمایا اُنہیں دربار میں حاضر کرو جب وہ آگئے تو آپ نے

ان میں سے کوئی کوفے میں مقیم تھا جیسے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور مدینے میں حضرت عمر بن خطاب حضرت عبداللہ بن عمر حضرت زید بن ثابت بصرے میں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری شام میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباس مصر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اجمعین یہی وہ شہر ہیں جہاں سے علم کی روشنی دنیا میں پھیلی یہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے رائے کے رگڑے کو دنیا سے نابود کر دیا۔ یہ بھی شانِ خدا ہے کہ جو بزرگانِ دین کوفے میں تھے انہی سے رائے کی برائی بکثرت مروی ہے۔ اس میں حکمتِ خداوندی بظاہر یہ نظر آتی ہے کہ یہ بزرگ خدا کے ہاں خلاصی پالیں کہ رائے کی وبا ان کے بعد پھیلی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

فصل اہلِ رائے کہتے ہیں کہ یہ تو سچ ہے کہ ان بزرگوں سے اور تابعین سے اور ائمہ دین سے رائے کی برائی مروی ہے یہ اس سے روکتے رہے۔ رائے سے فتویٰ دینے سے بھی باز رکھتے رہے۔ اس کے مطابق فیصلے کرنے کو بھی برا مانتے رہے اسے علم سے جدا بھی کر دیا لیکن تاہم انہی بزرگوں میں سے بعض سے رائے کیساتھ فتوے دینے اور اسکے مطابق فیصلے کرنے بھی آئے ہیں بلکہ اس پر دلالت اور اس سے استدلال بھی مروی ہے جیسے کہ مہر کا نام ٹھیرائے بغیر نکاح کرنیوالی عورت کے بارے میں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ فرمان کہ میں اس میں اپنی رائے بیان کرتا ہوں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ یہ میری رائے ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ افرادِ حج کے بارے میں جو میں نے کہا وہ صرف میری ایک رائے تھی اور اُن لونڈیوں کے بارے میں جن سے اولاد ہو جائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ میری اور حضرت عمر کی رائے اس پر متفق ہے کہ وہ بیچی نہ جائیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت شریح قاضی کو یہ تحریر فرمانا کہ جب کوئی مسئلہ تو کتاب اللہ میں پالے تو اُسی کے مطابق فیصلہ کر اور طرف توجہ بھی نہ کر پھر سنتِ رسول اللہ کو ٹٹول اگر ان دونوں میں بھی نہ ملے تو جس پر لوگوں کا اجماع دیکھ اس سے فیصلہ کر اور اگر کوئی ایسا ہی مسئلہ آپڑے کہ نہ قرآن میں ہو نہ حدیث میں ہو نہ تجھ سے پہلے کسی نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہو تو اب اگر تو چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کر اور اگر رک جانا چاہے تو رک ہی جا اور میرے نزدیک تو تیرا پیچھے ہٹ جانا۔ آگے نہ بڑھنا اور اجتہاد رائے نہ کرنا ہی تیرے اپنے لئے بہتر ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب کبھی کوئی مسئلہ آتا تو آپ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر اس میں پاتے تو تو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے نہ پاتے تو حدیثِ رسول اللہ کو دیکھتے اور اس کے مطابق حکم لگا لیتے اگر اس میں بھی عاجز آجاتے تو لوگوں کو جمع کر کے ان سے پوچھتے کہ تم میں سے کسی کو اس مسئلہ کی حدیث معلوم ہے؟ بسا اوقات لوگ کھڑے ہو جاتے اور بتلا دیتے کہ اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے اگر اس پر بھی کوئی فیصلہ ہاتھ نہ لگتا تو بڑے بڑے لوگوں کو بلاتے اور اُن سے مشورہ کرتے اگر سب مل کر ایک ہی بات کہتے تو آپ وہی حکم دیدیتے حضرت عمرؓ بھی یہی کیا کرتے تھے۔ آپ کتاب وسنت میں نہ پانے کی صورت میں حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ بھی دریافت فرما لیتے اگر مل جاتا تو اُسی کو جاری کر دیتے ورنہ علما سے مشورہ کرتے اور ان کے مجتمع خیال کے مطابق حکم دیدیتے۔ ایک مرتبہ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو لوگوں نے زیادہ تنگ کیا تو آپ نے فرمایا ہم پر سے ایسا زمانہ گذرا ہے کہ نہ ہم اس قابل تھے نہ فیصلے کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مرتبے پر پہنچا دیا جسے تم دیکھ رہے ہو۔ پس میں کہتا ہوں اور صاف صاف کہتا ہوں کہ جس کے سامنے کوئی قصہ آئے وہ قرآن کریم سے چکوتی کرے ورنہ حدیثِ رسولؐ سے ورنہ بزرگوں کے فیصلے سے ان سب میں ناکام رہے تو اپنی رائے میں گہرا اُترے پھر یہ نہ کہے کہ میں یوں دیکھتا ہوں مجھے یہ خوف ہے سنو حلال ظاہر ہے حرام ظاہر ہے اسکے درمیان شبہ والی چیزیں ہیں پس جس چیز میں کھٹکا ہو اُسے چھوڑ دو اور بے خطر چیز لے لیا کرو۔ حضرت عمرؓ نے جب حضرت شریحؒ کو کوفے کا قاضی مقرر کر کے بھیجا تو فرمایا دیکھ جو کتاب اللہ میں مل جائے اُسے لے لیا کر پھر کسی سے پوچھنے پاچھنے کی مطلقاً ضرورت نہیں اس کے بعد سنتِ رسول اللہؐ پر نظر ڈال جو اس میں مل جائے اُسے مان لے۔ اس میں بھی نہ ملے تو اپنی رائے میں اجتہاد کر۔ حضرت ابو موسیٰؓ کو آپ نے لکھوایا کہ چیزوں کو اور اُن جیسی مثالوں کو جان پہچان لے اور امور میں قیاس کر لیا کر۔ مکاتب کے بارے میں حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے قیاس کیا دادا اور بہن کی میراث میں قیاس سے کام لیا حضرت علیؓ نے تو اسے پانی کی ایک رو سے مشابہت دی جس میں سے کوئی شاخ پھوٹے نکلے پھر اس شاخ میں سے

کو حلال کر دینگے امام ابو عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں یہ اثر عبداللہ بن عباس
جو بے اصل ہو اور جو کلام دین میں اٹکل اور گمان ہیں" آپ فرماتے ہیں جسنے
حدیث میں ہے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حلت رسول اللہ میں نہیں نہیں
حلت قرآن حدیث میں موجود ہے ل ہوگا؟ فرماتے ہیں دین تو صرف قرآن
نا واقف ہوگا اور مسائل بھی اپنی رائے سے کچھ کہدے میں نہیں جان سکتا
قیاس کے گا نیکیوں کے دفتر میں لکھا جائیگا یا برائیوں کے؟ فرماتے ہیں قرآن
میں جو اپنی رائے لگائے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے" سہل بن حنیف
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذمت رائے کے اقوال" فرماتے ہیں لوگو دین کے
بارے میں اپنی رایوں کو تہمت دار بناؤ۔ ابن جندل کے دن یعنے حدیبیہ
کی صلح کے موقعہ پر میں نے خود اپنے تئیں اس حال میں دیکھا ہے کہ اگر میرے
بس میں ہوتا کہ حضورؐ کا حکم لوٹا دوں تو لوٹا دیتا۔" حضرت عبداللہ بن عمر
رضی اللہ عنہما کے رائے کے رد میں اقوال" آپکی عادت مبارک تھی کہ جب
کبھی کسی مسئلے کی بابت آپسے سوال کیا جاتا کہ آپ اُس میں کچھ نہ پاتے ہوں
تو فرما دیا کرتے کہ اگر تم کہو تو میں اٹکل پچو کوئی بات جڑ دوں۔ آپ حضرت
جابرؓ سے فرماتے ہیں کہ تم بصرہ کے فقیہ ہو تم سے مسائل دریافت کئے جاتے
ہیں یاد رکھنا سوائے خدا کی کتاب کے اور سوائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی
حدیث کے کسی چیز سے فتویٰ نہ دینا۔ فرماتے ہیں تین باتیں علم کی ہیں
کتاب اللہ الناطق۔ سنت ماضیہ اور انسان کا یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا
"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے رائے کے مذمت کے اقوال" آپکے
پاس کچھ لوگ آئے آپ سے مسائل دریافت کئے آپ نے اُنہیں بتلائے
اُنہوں نے جا کر سب لکھ لئے پھر مشورہ ہوا کہ اس لکھنے کی خبر اُنہیں بھی
کر دینی چاہیئے۔ آئے آپسے ذکر کیا آپ نے فرمایا میں تو اس سے عذر پیش
کرتا ہوں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ میرے سب فتوے غلط ہوں میں نے
اپنی کوشش بھر اجتہاد کر کے تمہیں رائے دی تھی۔" حضرت معاذ بن جبل
رضی اللہ تعالیٰ عنہ رائے کی مذمت میں فرماتے ہیں" کہ بہت سے فتنے
اُٹھ کھڑے ہونگے مال بڑھ جائیگا قرآن کریم کھل جائیگا مرد عورت
چھوٹے بڑے منافق مومن سب پڑھنے لگینگے۔ ایک شخص قرآن کا وعظ کہیگا
لیکن دیکھیگا کہ لوگ اُسکے مرید نہیں بنتے تو کہیگا واللہ میں اسے علانیہ
پڑھونگا اس کے بعد بھی جب لوگوں کا رجحان اپنی طرف نہ دیکھے گا تو

ایک مسجد میں جم کر بیٹھ جائیگا اور اپنے ذہن کی تیزی سے وہ کلام ایجاد
کریگا جو نہ کتاب اللہ میں ہو نہ حدیث رسول اللہ میں پس ایسے لوگوں سے
تم الگ تھلگ رہنا اور اُنہیں بھی اپنے پاس نہ آنے دینا۔ یاد رکھو یہی
بدعت وضلالت ہے تین بار آپنے یہی فرمایا۔" حضرت ابو موسیٰ اشعری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ رائے کے رد میں فرماتے ہیں" جسکے پاس علم ہو وہ اُسے
اوروں کو سکھائے اور جس بات کا علم نہو اُس میں زبان نہ ہلائے ورنہ
تکلف کرنے والوں میں شامل ہو کر دین سے جدا ہو جائیگا۔" حضرت
معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول" آپنے ممبر پر چڑھ کر
اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اما بعد کہہ کر فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں
ایسے لوگ بھی ہیں جو وہ باتیں بیان کرتے ہیں جو نہ کتاب اللہ میں ہیں نہ
حدیث رسول اللہ میں یاد رکھو یہ لوگ نرے جاہل ہیں۔ پس ان صحابہؓ
کے ان زرین اقوال کو دوبارہ دیکھ جائیے اور خود ان پر نظریں ڈالئے
یہ ابو بکر صدیق ہیں اور عمر فاروق ہیں اور عثمان ہیں اور علی ہیں اور عبداللہ
بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت اور سہل
بن حنیف اور معاذ بن جبل اور تمام مسلمانوں کے ماموں حضرت معاویہ اور حضرت
ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ خیال فرمائیے کہ ان بزرگوں
نے رائے کو علم سے خارج کہا ہے اس کی مذمت اور برائی بیان کی ہے
اس سے لوگوں کو بچایا ہے ڈرایا ہے اس سے منع فرمایا ہے اور رائے سے
فتوے دینے سے بھی روکا ہے ہاں ان میں سے جو بے بس ہو جاتا تھا وہ
ضرورت کیوقت اجتہاد کر کے رائے سے کام نکال لیا کرتا تھا لیکن اس کا
ماننا کسی پر یا خود اپنے اوپر لازم نہیں بتلاتا تھا نہ اُس پر عمل ضروری
کہتا تھا کیا ان میں سے ایک بھی ایسا بتلا سکتے ہو کہ جس نے اپنی یا کسی کی
رائے کو دین بتلایا ہو اور اُس کی وجہ سے کسی حدیث کو چھوڑا ہو اور اُسکی
مخالفت کر کے اتباع سنن کرنے والوں کو بدعتی اور گمراہ بتلایا ہو پس یہ ہیں
اسلام کی صف اول اور ایمان کی عمارت اور ہدایت کی امام اور اندھیروں
کا اُجالا اور امت کے خیر خواہ اور احکام و دلائل کے علما خدا کے دین کی
پوری سمجھ رکھنے والے گہرے علم والے کم تکلف والے فتووں اور علم کے
مالک جن سے خیر و برکت پھیلی جن سے اسلام اور معلومات اسلام لوگوں کے
کانوں تک پہنچے یہی امت کے پیشوا اور فقہا ہیں اللہ انسے خوش رہے۔

تھے انہوں نے کسی فیصلے کے بارے میں خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے تحریری سوال کیا جس کے جواب میں آپنے لکھا کہ میں فتوے دینے سے خوش نہیں ہوتا جہانتک میرا بس چلے میں اس سے رکتا ہوں میں نے تمہیں اسی لئے یہ عہدہ دیا ہے کہ مجھے فیصلے کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اب تمہیں اختیار ہے جو سمجھ میں آئے فیصلہ کرو۔ حضرت حسنؒ سے سوال ہوا کہ آپ جو یہ فتوے دیتے ہیں یہ سُنے ہوئے ہیں یا اپنی رائے سے دیتے ہیں؟ آپنے فرمایا سب کے سب سُنے ہوئے تو نہیں لیکن ان عامیوں کی رائے سے ہماری رائے عمدہ اور اچھی ہی ہے۔ محمد بن حسنؒ کہتے ہیں جو شخص کتاب و سنت کا عالم ہو صحابہؓ رسولؐ کے فتووں سے اور مسلمان فقہائے کے فیصلوں سے واقف ہو اُس پر جو مسئلہ ضروری آجائے اور وہ اُس کے جواب کے لئے مجبور ہو جائے تو اُسے حق ہے کہ اپنی طاقت بھر کوشش کر کے اپنی سمجھ سے روزے نماز، حج وغیرہ امور دین میں فتویٰ دے۔ پھر جبکہ اُس نے اجتہاد کیا دیکھا بھالا ایک چیز کو اُس کی مُشابہ چیز پر قیاس کیا اپنی طاقت بھر راہ صواب کی کوشش بھی کی تو گو خطا ہو جائے اور جو کہنا چاہئے تھا اُس تک نہ بھی پہنچ سکے۔

فصل ان اہل الرائے کو ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ رائے کی مذمت میں جو اقوال ان بزرگوں کے وارد ہوئے ہیں۔ اور پھر تم نے انکے جو فتوے وغیرہ رائے کے نقل کئے ہیں اُن میں کوئی تعارض نہیں بلکہ ان بزرگ حضرات کی یہ دونوں قسم کی باتیں برحق ہیں ہر ایک کا جداگانہ طریقہ ہے اور الحمد للہ کہ ان میں مطلقاً اختلاف نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ رائے دو قسم کی ہے ایک تو رائے باطل ہے جو دین میں سے نہیں اور ایک رائے حق ہے جس بغیر مجتہدین کو چارہ نہیں۔ اس کی مزید تفصیل سُنئے رَأْیٌ دراصل مصدر ہے رَأَی الشَّیْئَ یَرَاہُ رَأْیًا پھر مصدر کا استعمال مفعول پر ہی غالب آگیا ہے جیسے کہ ھَوٰی دراصل مصدر ہے ھَوِیَہٗ ھَوَاہُ ھَوًی پھر اسکا استعمال اُس شے پر ہونے لگا ہے جس کی خواہش اور چاہت کی جائے یعنے مفعول پر پس عرب میں کہتے ہیں ھٰذَا ھَوٰی فُلَانٍ تو مراد اس سے مفعول ہوتا ہے۔ عرب میں فعل رویت کے محل کے اعتبار سے مصدروں میں فرق کیا گیا ہے پس کہتے ہیں رَأٰی کَذَا فِی النَّوْمِ رُؤْیًا یہ چیز خواب میں دیکھی اور کہتے ہیں رَاٰہُ فِی الْیَقَظَۃِ رُؤْیَۃً جاگتے میں اُسنے یہ منظر دیکھا رَأَی کَذَا اسوقت کہتے ہیں جب دل سے جان لے اور آنکھ سے نہ دیکھا ہو لیکن اس میں بھی یہ تخصیص کی ہے کہ دل فکر و غور کرے اور ٹھیک بات کے پہچان لینے کی طلب کے بعد دیکھے اُس چیز کی بابت جس میں نشانیاں اور علامتیں بہت سی ہوں۔ پس کوئی شخص اپنے دل سے کسی چھپی ہوئی بات کو دیکھ لے تو بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اُس کی رائے ہے اسی طرح وہ معقول بات جس میں عقلوں کا اختلاف نہو اور علامتیں بھی تعارض والی بہت سی نہ ہوں اُسے بھی رائے نہیں کہتے گو فکر و تامل کی حاجت یہاں بھی پڑتی ہے جیسے کہ حساب کی دقت و باریکی والی باتیں وغیرہ۔ اسے ذہن نشین کر کے اب سنئے کہ دراصل رائے کی تین قسمیں ہیں باطل رائے۔ صحیح رائے اور شبہ والی رائے ان تینوں قسموں کی طرف سلف کا اشارہ بھی موجود ہے پس صحیح رائے تو استعمال میں بھی لی ہے اُس پر عمل بھی کیا ہے اُسکے مطابق فتویٰ بھی دیا ہے اُس پر کسی قول کو کہنا جائز بھی رکھا ہے ہاں باطل رائے کی مذمت کی ہے اس پر عمل کرنا اس سے فتویٰ دینا اس پر فیصلہ کرنا منع کیا ہے اس کی مذمت میں اور ایسے اہل الرائے کی برائی میں سلف صالحین نے بہت ہی کچھ کہا ہے۔ رہی تیسری قسم اس پر عمل اس کے مطابق فتویٰ اس سے فیصلہ اُسی وقت جائز ہے جبکہ انسان اس کی طرف مجبور ہو جائے اور کوئی اور طریقہ ملے ہی نہیں لیکن تاہم کسی پر سلف نے اسکا مان لینا ضروری قرار نہیں دیا نہ اسکی مخالفت حرام کہی ہے نہ اسکے مخالف کو دین کا مخالف سمجھا ہے بلکہ غایت یہ ہے کہ اسے ماننے نہ ماننے کا اختیار ہے۔ پس اس رائے کو ایسا ہی سمجھئے جیسے مضطر کیلئے ضرورت و مجبوری کیوقت بعض حرام چیزوں کا استعمال جائز کر دیا ہے۔ حضرت امام احمدؒ نے حضرت امام شافعیؒ سے قیاس کی بابت سوال کیا تو آپنے فرمایا بوقت ضرورت بقدر ضرورت نہ اس میں زیادتی جائز نہ اُسے شاخ در شاخ لے جانا جائز نہ اوسے پھیلانا جائز نہ اُسے بڑھانا جائز۔ سلف کا یہی طریقہ رہا نہ اُس طرح جس طرح پچھلے لوگوں نے کیا کہ قرآن و حدیث کی جگہ اسے دیدی کیونکہ اس میں اُنہوں نے آسانی دیکھی۔ کون قرآن حدیث ٹٹولے پھر کون اُسے یاد کرے جو جی میں آیا کہد یا چلئے چھٹی ہوئی۔ جیسے کہ اکثر لوگ پائے جاتے ہیں جنہوں نے فتویٰ دینے کے قواعد منضبط کر لئے ہیں کیونکہ اُن پر نقل مشکل ہے اور حفظ اُس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ سلف صالحین نے

دو شاخیں اور نکلیں ۔ اور حضرت زید نے درخت سے تشبیہ دی جسکی ایک شاخ نکلے پھر اُس میں سے دو شاخیں اور نکلیں ۔ اور دادا کے بارے میں ان دونوں نے فرمایا کہ وہ بہنوں کو محروم نہیں کر سکتا ۔ ابنِ عباس رضؓ نے کچلیوں کو انگلیوں پر قیاس کیا اور فرمایا میں تو انکا اعتبار انہی پر کرتا ہوں ۔ صفین میں جانے کی بابت حضرت علیؓ سے جب سوال ہوا کہ حضورؐ کے کسی ارشاد کی بناء پر تھا یا صرف آپکی اپنی رائے سے تو آپنے فرمایا صرف میری رائے سے ۔ ابنِ مسعودؓ نے مہر نہ کھول لینے والی عورت کے بارے کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں اس میں اپنی رائے لگاتا ہوں اگر ٹھیک نکل آئے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر ٹھیک نہ نکلے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اُسکا رسولؐ اُس سے بَری ہے ۔ آپ فرماتے ہیں تم میں سے جس کسی کے سامنے کوئی فیصلہ پیش ہو تو کتاب اللہ سے فیصلہ کرے اگر کتاب اللہ میں نہ پائے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کرے اگر ان دونوں میں نہ پائے تو نیک لوگوں کے کئے ہوئے فیصلہ کو قبول کرلے اگر ان تینوں میں بھی کوئی بات نہ ملے تو پورے جتن سے رائے لگائے لیکن اگر اُس میں مشکلات دیکھے تو چھوڑ دے اور شرما شرمی خواہ مخواہ کا جواب نہ دے دے ابنِ عباسؓ سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر ملجاتا تو بیان فرما دیتے نہ ملتا تو حدیثِ رسول اللہ میں دیکھتے ملتا تو جواب دیدیتے اگر نہ ملتا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا فیصلہ ٹٹولتے اور اُسی کے مطابق حکم کردیتے اگر اس میں بھی ناکامی رہتی تو پوری کوشش سے اپنی رائے کو کام میں لیتے ۔ حضرت اُبی بن کعبؓ سے حضرت مسروقؒ نے ایک مسئلہ پوچھا تو آپنے دریافت فرمایا کہ کیا ایسا واقعہ ہوا بھی ہے اُنہوں نے کہا نہیں ہوا تو نہیں لیکن میں دریافت کر رہا ہوں آپنے فرمایا پھر ہمیں معاف رکھئے ہوگا تو پھر رائے میں کوشش کرینگے ۔ ابنِ عباسؓ نے زید بن ثابتؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ کیا کتاب اللہ میں جو بیجے اُسکی تہائی کا ذکر ہے؟ آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اور آپ اپنی رائے سے ۔ ابنِ عمرؓ سے اُن کے ایک فعل کی بابت سوال ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کام کرتے آپنے دیکھا ہے؟ یا یہ آپکی اپنی رائے سے ہے؟ آپنے فرمایا میری رائے سے ۔ حضرت ابوہریرہؓ جب کبھی کوئی بات اپنی رائے سے کہتے تو فرمادیتے کہ یہ میری دانائی سے ہے ۔ حضرت ابودرداءؓ کا قول ہے علما کی باریک بینی

کا خیال رکھو ۔ بچتے رہو کہیں وہ تمہاری نسبت کوئی ایسی شہادت نہ دیدیں کہ وہ تمہیں جہنّم میں گھسیٹ لے جائے ۔ واللہ ان کے دل میں حق کا القا کیا جاتا ہے ۔ ترمذی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ مومن کی دانائی اور تیزی کا خیال رکھو وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے پھر آپنے آیت قرآنی اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیٰاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ۝ کی تلاوت کی ۔ حضرت علیؓ نے سرکار رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کوئی ایسا کام آپڑے جس میں نہ قرآن کی کوئی آیت اُتری ہو نہ آپ کی کوئی سنت جاری ہوئی ہو؟ تو آپ نے فرمایا اُس کے لئے عالموں کو جمع کردیا فرمایا مومنوں کے عابدوں کو اور آپس میں مل کر مشورے سے طے کرو صرف شخصی رائے سے نہ کر گزرو ۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے ابراہیم برقی اور سلیمان یہ دونوں اس کے راوی ہیں اور ان سے حجت نہیں لی جاتی ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ سے فرمایا اگر تمہاری رائے نہ ہوتی تو میری اور ابوبکرؓ کی رائے متفق ہوتی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو میرا لڑکا مانا جائے اور مجھے اُس کا باپ مانا جائے ۔ یہ گفتگو دادا کی بابت ہوئی ہے ۔ حضرت عمرؓ سے ایک شخص ملا تو آپنے فرمایا تمنے کیا کیا؟ اُس نے کہا حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ نے یہ فیصلہ کر دیا آپنے فرمایا اگر میں اُنکی جگہ ہوتا تو ایسا ایسا فیصلہ کرتا اُس نے کہا پھر آپکو کس چیز نے روکا؟ آپ تو امر کے مالک ہیں آپنے جواب دیا کہ اگر میرے پاس کتاب وسنت ہوتی اور تجھے میں اُس کی طرف لوٹاتا تو یقیناً لوٹا دیتا لیکن اسوقت تو میں تجھے صرف اپنی رائے کیطرف لوٹانا چاہتا ہوں رائے مشترک چیز ہے کسی کی رائے کو دوسرے کی رائے پر فوقیت نہیں پس آپنے حضرت علی اور حضرت زید کا فیصلہ بحال رکھا ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی سب سے زیادہ بھلائی والا دل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظر آیا چنانچہ آپکو اپنی رسالت سے ممتاز فرمایا پھر بھی اپنے اور بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی جن کے دلوں میں سب سے زیادہ خیر نظر آئی اُنہیں آپ کے ساتھی اور صحابی بنائے پس جس کام کو یہ باایمان جماعت اچھا سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جسے یہ باایمان جماعت بُرا سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بُرا ہے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ بن محمد سعدی کو یمن کا عامل بناکر بھیجا یہ نیک بزرگ

ان اقوالِ صحابہ و تابعین میں مذمت آئی ہے وہ احکامِ شرع میں بطور گمان اور اٹکل کے اچھل بچھنے کے اور بیکار غیر ثابت باتوں کو یاد کر کے اور ایک فرع کو دوسری فرع پر رد کر کے اصول پر نظر ڈالے بغیر علتوں کو دیکھے بغیر اعتبار سامنے رکھے۔ بغیر واقعہ کی عدم موجودگی میں رائے لگا کر شاخیں نکال کھینچا تانی کر کے جو خیال میں آیا کہدیا۔ جب اس میں انسان مشغول ہو جاتا ہے تو حدیث و سنت اُس سے چھوٹ جاتی ہے اس سے وہ جاہل ہو جاتا ہے اور جو قرآن و حدیث ہر وقت پیشِ نظر رہنا چاہیے اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ قرآن حدیث کے معنے مطالب بھی اُس سے دور ہو جاتے ہیں۔ پھر تو جو اس کی رائے میں آیا ہے اُسی کی ٹیڑھی ترچھی دلیلیں ڈھونڈنے لگتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں جو واقعہ نہیں ہوا اُس کی بابت سوال نہ کرو۔ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اُس شخص پر لعنت بھیجتے تھے جو اُس چیز کو پوچھے جو ہوئی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے حدیث میں لفظ اُغلُوطات ہے اس کی تفسیر امام اوزاعی سخت اور دشوار گذار مسائل سے کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ لوگوں نے ادھر اُدھر کے مسائل چھیڑ دئے تو آپنے فرمایا معلوم بھی ہے کہ حضورؐ نے نادر انوکھے اور غیر واقع مسائل سے منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوالات کو بُرا جانا اور اُن پر عیب گیری کی۔ آپنے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ قیل قال کو اور سوال کی زیادتی کو مکروہ رکھتا ہے۔ حضورؐ نے سائل پر لعنت کی اور اُنہیں عیب والا بتلایا۔

اوپر والی حدیث کا مطلب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یوں بتلاتے ہیں کہ کثرتِ سوال کی بابت تو میں نہیں جانتا کہ وہی ہو جس میں تم سب مبتلا ہو میں تمہیں ایسے ایسے مسائل کے پوچھنے سے منع کرتا ہوں حضورؐ نے اسے بُرا بتلایا ہے اور اسے معیوب فرمایا ہے۔ خود قرآن میں ہے بہت سی چیزوں کا سوال نہ کرو کہ اگر وہ تمہارے سامنے ظاہر ہو جائیں تو تمہیں بُرا معلوم ہو۔ پس میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ یہی مسائل کا پوچھنا ہے یا لوگوں سے مال کا مانگنا۔ عبدہ بن ابی لبابہؒ فرماتے ہیں کاش کے مجھے تو یہی چیز حاصل ہو جاتی کہ نہ کوئی مجھ سے پوچھے نہ میں کسی سے۔ اس طرح مسائل میں مُنہ کھول کھول کر لوگ سوال کرتے ہیں جیسے روپے پیسے کا سوال کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسلمانوں میں سب سے بڑا گنہگار وہ ہے جسکے سوال پر کسی چیز کی حُرمت ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں ترک کئے رہوں۔ تم سے پہلے کے لوگ اسی کثرتِ سوال اور نبیوں کی باتوں میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم اُس سے بچ جاؤ اور جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک تمہارے بس میں ہو اُسے بجا لاؤ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ممبر پر فرمایا لوگو میں تمہیں سختی سے روکتا ہوں کہ فرضی مسائل کے فتوے دریافت نہ کیا کرو جو ہونے والا ہے وہ تو سب جناب باری بیان فرما چکا ہے تم جو نہیں ہوا اُسکے سوالات نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیرہ سوال ہی کئے ہیں جو سب قرآن میں موجود ہیں حیض کے بارے میں حرمت والے مہینوں کے بارے میں یتیموں کے بارے میں وغیرہ غرض صرف وہی سوالات کرتے تھے جو اُنہیں کار آمد ہوں۔ حدیث میں تیرہ میں سے صرف تین سوالات کا ہی ذکر ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اس سے مراد وہ سوالات ہیں جو قرآن میں حکایت کئے گئے ہیں ورنہ حدیث میں انکے سوالات اور آپکے جوابات بہت سارے موجود ہیں مگر وہ صرف اُنہی امور کو پوچھتے تھے جو کار آمد ہوں۔ فضولیات واہیات اور غلط اور بیکار اور دور از کار باتوں کو دریافت نہیں کرتے تھے نہ یہ عادت تھی کہ شاخیں قائم کریں اور فرع پیدا کریں اُنکے سامنے تو راہِ عمل تھی جو سُنا اُس پر عمل کے درپے ہو جاتے تھے۔ کُرید نہیں کرتے تھے گہرے نہیں اُترتے تھے جو واقعہ پیش آ گیا دریافت کر لیا جو سُنا مان لیا۔ قرآن کا فرمان ہے ایمان والو ایسی چیزوں کی بابت سوال نہ کرو کہ اگر تمہارے سامنے وہ ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُرا لگے۔ قرآن کے نازل ہوتے ہوئے اگر تم نے ایسے سوالات کئے تو ظاہر کر دئے جائینگے اب تو اللہ نے درگذر فرما لیا وہ ہے ہی بخشنے والا اور علم و تحمل والا۔ تم سے پہلے کے لوگوں نے بھی ایسے ہی سوالات کئے پھر آخری نتیجہ یہ ہوا کہ کافر بن گئے۔ یہ سوالات کس نوعیت کے تھے۔ اس کی بابت ایک قول تو یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کے سوال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے درگذر فرما لیا ورنہ ان کے پوچھنے پر یہ چیزیں حرام ہو جاتیں کیونکہ سوال کے نہ ہونے تک تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ سکوت میں اور معافی میں تھیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب

تو رائے قیاس کے استعمال میں اپنی ضرورت سے آگے قدم نہیں بڑھایا اور جہاں تک بھی ہو سکا قرآن حدیث اپنے سامنے رکھا اور اس کی طرف توجہ بھی نہ کی۔ جیسے کہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ الخ یعنے جو شخص حرام چیز کی طرف بے بس مضطر اور مجبور ہو جائے نہ تو وہ باغی ہو نہ حد سے گذرنے والا ہو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ پس باغی وہ ہے جو مردار کو ڈھونڈے باوجود یکہ اُسے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت مل سکتا ہے اور عادی وہ ہے جو حاجت و ضرورت سے زیادہ کھا جائے۔ اب سنئے باطل رائے کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ رائے جو صریح آیت قرآنی یا صاف حدیث نبوی کے مخالف ہو تو کوئی شک نہیں کہ ایسی رائے کا باطل اور خراب ہونا دین اسلام سے صاف ظاہر ہے۔ اس پر فتوی دینا اسکے مطابق فیصلہ کرنا محض حرام ہے گو کوئی تقلیدًا یا کسی قسم کی تاویل کر کے اس میں واقع بھی ہو گیا ہو۔ دوسری قسم دین میں اٹکل اور گمان سے کوئی بات کہہ دینا ہے باوجود اسکے کہ احکام دینی کی پہچان اور سمجھ میں تقصیر ہو اور اُس سے احکام کے نکالنے کا ملکہ نہیں۔ پس ایسا نادان شخص کسی سوال کا جواب اپنی رائے سے دے تو محض بے علمی کی بنا پر ہوگا صرف یہ دیکھ کر کہ دو چیزوں میں ایک بات کسی قدر ہے وہ ایک کو دوسری کے حکم میں لے لیگا یا دونوں میں قدرے فرق دیکھ کر احکام الگ الگ کر دیگا لیکن نہ اُس کی نظر آیت پر ہوگی نہ حدیث پر جو اُسی بارے میں صاف موجود ہے۔ یہی لوگ ہیں جو باطل رائے میں پریشان ہو رہے ہیں۔

فصل اب تیسری قسم سنئے وہ رائے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام اُس کی صفتیں اُس کے کام ان باطل قیاسوں سے بیکار کر دئے جائیں ان قوانین کے ایجاد کرنے والے جہمیہ، معتزلہ، قدریہ اور ان جیسے دوسرے گروہ ہیں جو گمراہ اور بدعتی ہیں۔ انہوں نے اپنے واہی قیاسات اور اپنی باطل رائیں اور اپنے فضول شبہات وارد کر کے صحیح صریح آیتوں حدیثوں کو رد کر دیا۔ پس کہیں تو اسکی وجہ سے شریعت کے وہ الفاظ رد کر دئے جن کے رد کے لئے انہیں کوئی راستہ اُن کے راویوں کے جھوٹا بتانے اور اُن کی غلطی بتانے کا ملا کہیں وہ مطالب بدل دئے جہاں الفاظ کے بدلنے کی انہیں کوئی راہ نہ ملی پس قسم اول کو تو جھٹلا دیا اور قسم ثانی کو بدل دیا۔ صاف کہہ دیا کہ مومن قیامت کے دن دیدار باری نہ کرینگے کلام خدا کا انکار کر گئے اُس کے بندوں سے اُسکا باتیں کرنا نہیں مانا۔ تمام عالم سے خدا کا جدا ہونا اور عرش عظیم پر مستوی ہونا تمام مخلوق سے بلند اور اوپر ہونا انہوں نے نہ مانا۔ ہر چیز پر اُس کی عام قدرت کا ہونا انہوں نے تسلیم نہ کیا بلکہ بندوں کے افعال اُس کی قدرت کی تعلیق و مشیت سے نکال دئے فرشتوں کے انبیا کے اور عام جنوں انسانوں کے۔ اب ان کے اس عقیدے کے خلاف جتنی آیتیں تھیں جتنی حدیثیں تھیں سب کا انکار کر گئے۔ اُنہیں اُنکی جگہ سے ہٹا دیں اُنکے معانی مطالب اور حقائق کو صرف اپنی رائے سے بدل دئے جس رائے کی حقیقت اسکے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ ذہن کا میل تھا اور فکر کی بھوسی تھی اور خیالات کا کوڑا تھا اور دلوں کے وسوسے تھے اسی سے کتابوں کے ورق سیاہ کر ڈالے دلوں کو وہم سے بھر دیا اور دنیا میں فساد ڈال دیا جسے قدرت نے ذرا سی بھی عقل و تمیز دی ہے وہ جانتا ہے کہ انکی اس رائے نے دنیا کو خراب کیا۔ یہ بربادی صرف اُس وجہ سے ہوئی کہ ان باطل پرستوں نے رائے کو وحی پر اور خواہش کو عقل پر مقدم کر دیا۔ یہ دونوں بیماریاں جس دل میں بیٹھ جائیں اُس کی ہلاکت کی کڑیاں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ جس امت میں یہ دونوں بدخصلتیں آ جائیں وہ تباہ اور غارت ہو کر ہی رہتی ہے۔ اللہ اللہ اس ناپاک رائے نے بہت سا حق کھو دیا بہت سا باطل اُبھار دیا بہت سی ہدایتوں کا گلا گھونٹ دیا بہت سی گمراہیوں کی جڑیں جما دیں۔ بہت سی ایمانی عمارتیں ڈھا دیں اور بہت سی شیطانی خرابیاں آباد کر دیں اور جہنمیوں کی تعداد بڑھا دی۔ اکثر جہنمی اسی رائے والے ہونگے جو بہرے اور بے عقل ہیں بلکہ گدھوں سے بدتر ہیں۔ یہی ہیں جو قیامت کے دن کہینگے کہ اگر ہم سنتے جانتے ہوتے تو جہنمی نہ بنتے۔ چوتھی قسم رائے کی وہ ہے جس سے بہت سی بدعتیں ایجاد ہوئیں اور بہت سی سنتیں بگڑ گئیں۔ جو بلا عام طور پر پھیل گئی جس میں لوگ چھوٹے سے بڑے ہونے لگے یہ ہیں چاروں قسم کی رائیں۔ جن کی بُرائی اور بدی پر سلف امت اور ائمہ شریعت نے اتفاق کیا ہے اور اسے دین سے خارج کہا ہے۔ پانچویں قسم رائے کی بقول ابن عبدالبر جمہور علما کے نزدیک یہ ہے کہ جس رائے کی ان حدیثوں اور

فتویٰ دیدے۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو لکھا کہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کی رائے کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں خبردار اپنی رائے سے ہرگز کوئی فتویٰ نہ دینا مگر یہ کہ کوئی حدیث و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو۔ حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہؒ فرماتے ہیں خبردار ہرگز اُن لوگوں کی مجلسوں میں نہ بیٹھنا جو نئی نئی صورتیں اپنے ذہن سے گھڑیں اور پھر اُس کے جواب دیں۔ حضرت ابن شہابؒ فرماتے ہیں سنتوں کو جاری ہونے دو۔ رائے کو اُن کے مقابلے میں پیش کرنے سے بچتے رہا کرو۔ حضرت عروہ بن زبیرؒ فرماتے ہیں بنو اسرائیل کا کام درست اور ٹھیک رہا یہانتک کہ اُن میں اور گروہ کے قیدیوں کی اولادیں پیدا ہوئیں اُنہوں نے رائے زنی شروع کی اور سب کو گمراہ کردیا۔ حضرت ابن شہابؒ نے رائے میں آپڑنے اور حدیث کا عمل چھوڑ دینے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے بھی جب تک رائے کی پیروی شروع نہ کی تب تک اُنکے ہاتھوں میں جو علمِ خداوندی تھا اُس پر قائم رہے۔ ایک شخص نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے ایک سوال کیا آپنے جواب دیا کہ میں نے تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں سُنا۔ اُس نے کہا اللہ آپکی اصلاح کرے آپ اپنی رائے سے ہی بتلا دیجئے۔ آپنے فرمایا مجھ سے یہ نہیں ہوسکیگا اُسنے پھر دوبارہ یہی کہا اور کہا کہ مجھے تو آپکی رائے ہی کافی ہے۔ آپنے فرمایا بات یہ ہے کہ میں اپنی رائے سے تجھے کچھ بتلا دوں تو تو چلا جائے لیکن ممکن ہے کہ کل میری وہ رائے نہ رہے تو میں تجھے کہاں ڈھونڈنے جاؤں؟ حضرت ربیعہ نے ابن شہابؒ سے کہا کہ میرا حال تیرے حال جیسا نہیں میں اگر اپنی رائے سے کچھ کہوں تو لوگ اُس کے ماننے پر مجبور نہیں ہیں جو چاہے لے اور اُس پر عمل کرلے جو چاہے نہ لے اور عمل نہ کرے۔ حضرت ایوب سختیانی سے کہا گیا کہ آپ رائے سے کچھ کیوں نہیں فرماتے؟ آپنے جواب دیا کہ گدھے سے کسی نے پوچھا کہ تو جگالی کیوں نہیں کرتا اُسنے کہا مجھے تو بُری چیز کا چبانا بُرا معلوم ہوتا ہے۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں آثارِ سلف کی پیروی میں لگے رہو گو لوگ تم سے بات چیت کرنا بھی چھوڑ دیں۔ لوگوں کے رائے قیاس کو آنکھ بھر کر دیکھو بھی نہیں گو وہ کتنے ہی خوبصورت اور دل لبھانے ہوں۔ حضرت سعید بن عبدالعزیزؒ سے جب کوئی سوال ہوتا تو جواب سے پہلے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھکر فرماتے یہ رائے ہے اور رائے کبھی درست بھی ہوتی ہے اور کبھی نادرست بھی۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ علم رائے ہے اور ہمنے جہانتک اپنا بس چلا اسی کو بہتر پایا ہے لیکن اگر کوئی اس سے بہتر چیز لائے تو ہم اُس کی اُس چیز کو قبول کرلینگے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے طلاقِ بتہ کی بابت سوال ہوا تو اشہب بن عبدالعزیز نے اپنی تختی سنبھالی کہ امام صاحب جو جواب دینگے میں لکھ لونگا۔ آپنے اُسی وقت فرمایا کہ ایسا نہ کرو ممکن ہے میں شام ہی کو کہدوں کہ یہ ایک ہی طلاق ہے آپ فرمایا کرتے تھے میں ایک انسان ہی تو ہوں صحیح بات بھی کہدیتا ہوں اور غیر صحیح بھی پس میری باتوں کو دیکھو پرکھو جو کتاب و سنت کے مطابق ہو اُسے لیلو اور جو کتاب و سنت کے مطابق نہو اُسے چھوڑ دو۔ ان ائمہ اسلام سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ راضی رہے اور انہیں اُنکی اس خیر خواہی اور نصیحت کا بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین! ان کے بعد جو دیندار متبع تھے اُنہوں نے انکی اس نصیحت کو مانا اور انکے اس قول پر سختی سے قائم رہے۔ ہاں جو متعصب لوگ تھے اُنہوں نے معاملے کو برعکس کر ڈالا اور جو سنت و حدیث ان ائمہ کے قول کے مطابق ملی اُسے تو لے لیا اور جو اسکے خلاف نظر پڑی کسی نہ کسی حیلے حوالے سے اُسے ٹال دیا یا اُسکی دلالت کو بدل دی۔ اور اُس سے بہت کمزور سند اور کمزور دلالت والی حدیث اگر اُن کے مذہب کے مطابق نظر پڑگئی تو جھاڑو پھاڑ مار کر اُسے لے لی اُس کے رد کرنے والوں کے سر ہوگئے اپنے مخالف کے سامنے اُسے لیکر آڈٹ گئے اُسکے لئے تمام ترجیحیں کر ڈالے حالانکہ اُس سے زیادہ مضبوط سند والی اُس سے بہت صاف دلالت والی حدیث کو اپنے امام کے قول کے خلاف پاکر اُس کی طرف دیکھا بھی نہ تھا اور پوری طاقت سے اُسے گرا دیا تھا اور چٹکیوں میں اُڑا دیا تھا۔ ہم اس کی نظیروں کو اور ایسے مواقع کو تقلید کی برائی کے بیان میں مشرح طور پر ذکر کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔ وہیں تمہیں اس تقلید کی خرابیاں اسکے فسادات اور اسکی بیہودگیاں بھی معلوم ہونگی وہیں ہم اتباع و تقلید کا فرق بھی بیان کر دینگے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو اکثر یہی فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو صرف اٹکل اور گمان کرتے ہیں ہمیں ان باتوں کا کوئی یقین نہیں۔ حضرت قعنبیؒ کا بیان ہے کہ امام صاحبؒ کے مرض الموت میں میں اُنکی عیادت کیلئے گیا سلام کر کے بیٹھ گیا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں میں نے کہا ابو عبداللہ آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا اے ابن قعنب میں کیسے نہ روؤں؟ رونے کا مجھ سے زیادہ مستحق کون ہے؟ کاش کہ میں ہر ہر اُس مسئلے

پوچھا گیا کہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا جبتک میں آپ نہ کہوں تم مجھ سے پوچھ گچھ نہ کیا کرو اسی چیز نے تم سے اگلوں کو غارت کیا وہ بکثرت سوال کرتے اور نبی کی باتوں پر اختلاف کرتے۔ اوپر حدیث گذر چکی کہ سب سے بڑا گنہگار مسلمان وہ ہے کہ ایک چیز حرام نہ تھی لیکن اُس کی کُریدنے اُسے حرام کر دی۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ فرائض کو ضائع نہ کرو اللہ کی حدوں کو نہ توڑو اللہ کی حرمت کا لحاظ رکھو اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی نسبت سکوت اختیار فرما کر کچھ نہیں فرمایا صرف تم پر رحم کر کے یہ نہیں کہ وہ بھول گیا ہو تو تم بھی اُن کے بارے میں بحث اور کُرید نہ کرو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے احکام قدر ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کا یہ سوال کہ میرا اصلی باپ کون ہے؟ ایک اور شخص کا یہ پوچھنا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ کا فرمانا کہ جہنم میں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں تفسیروں میں کوئی اختلاف نہیں آیت کے عام الفاظ دونوں باتوں کو شامل ہیں۔ اگر پہلی قسم کے سوال ہیں تو انکے جواب میں اگر سخت احکام اُترے تو گردن ٹوٹ جائیگی اور اگر دوسری قسم کے سوال ہیں اور ان کا جواب دیا گیا تو کمر جھک جائیگی۔ غرض دونوں قسم کے سوالات کے جوابات تمہیں رنجیدہ اور آبدیدہ کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قرآن کے نازل ہوتے ہوئے اگر تم نے اس قسم کے سوالات کی بھرمار کی تو یاد رکھنا سارے پردے چاک کر دئے جائینگے اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے سوال بغیر قرآن اُتر رہا ہے اب جس اجمال کی تفصیل تم دریافت کرو گے جو مشکل تم آسان کرنا چاہو گے جو بات سمجھ میں نہ آئے تم اُسے سمجھنا چاہو گے تو اسوقت تو اس کے اُترتے اُترتے تمہیں اُس سے آگاہ کر دیا جائیگا اس معنی کر اگلے جملے سے جو سوال کی ممانعت معلوم ہوتی تھی اب اُس کی اجازت ہو گئی دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ڈانٹ اور بچانا ہے یعنے جو تم پوچھو گے اُس کا جواب آجائیگا اور ممکن ہے کہ تمہاری طبیعت کے خلاف تمہیں ناخوش کرنیوالا ہو تو اگر نزول وحی کے زمانے میں تم پوچھ بیٹھے تو یقیناً جواب ہو جائیگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے درگذر فرما لیا نہ خبر کی نہ حکم دیا بلکہ بیان ہی نہ کیا یہ صرف اُس کی مغفرت رحمت اور حلم و تحمل ہے۔ اللہ ہے ہی بخشش اور معافی کرنے والا پس پہلے قول کی بنا پر تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تکلیف تم سے ہٹالی اور تمہارے لئے کشادگی رہنے دی۔ اور دوسرے قول کی بنا پر اللہ نے اُس کا بیان نہ کیا تاکہ تمہیں بُرا نہ لگے۔ اسی جیسی باتیں اگلوں نے بھی پوچھیں اور جب ہماری طرف سے اُن کا بیان ہوا تو وہ منکر ہو گئے پس تم اُن کی مشابہت نہ کرو اور اُنکی طرح بلاؤں کے سامنے نہ آؤ۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اب یہ حکم نہیں نہیں اب بھی یہی حکم ہے لوگوں کو وہ چیزیں نہ پوچھنی چاہئیں جس کا ظاہر ہونا اُنہیں بُرا لگے جہانتک ہو سکے اُن سے ایک طرف رہے اور خدا کی آسانی اور معافی پر جما رہے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھی نے جب پوچھا کہ اے پرنالے والے ہمیں بتلا اسکا پانی پاک تھا یا ناپاک؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہ بتلانا۔ پس اسی طرح بندے کو لائق نہیں کہ وہ اپنے رب سے یہ دُعا کرے کہ وہ اُسکے احوال اور انجام کو اُسکے سامنے بیان کر دے جو اُس مالک نے اُس سے چھپا رکھا ہے ممکن ہے کہ کھلنے پر اُسے وہ بُرا معلوم ہو پس اس قسم کے سوالات کرنا خدا کی ناپسندیدگی کیسامنے آنا ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اُسکا ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتا اسی لئے اُس سے خاموش ہے واللہ اعلم

فصل - جو بھی اُن آثار کو بغور دیکھیگا جو رائے کی بُرائی میں مروی ہیں وہ یقیناً اس بات تک پہنچ جائیگا کہ جس رائے کی مذمت ہے اس کی بھی اقسام ہیں وہ ان میں سے کسی نہ کسی قسم کی رائے کے متعلق ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرنیکے لئے اب ہم یہاں تابعین اور اُنکے بعد والوں کے بھی مذمت رائے کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس قول پر لعنت فرمائے "اگر یوں ہو تو" آپ سے ایکمرتبہ نکاح کا کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا دیکھو اگر میں اپنی رائے سے کچھ بتلاؤں تو اُس پر پیشاب کر دینا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مرتبے کے تابعی ہیں آپ نے ایک سو بیس صحابہؓ سے ملاقات کی ہے اور اُن میں سے جمہور سے علم دین حاصل کیا ہے۔ آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو حکم دیا ہو اُسے لیلو لیکن جو بات اُن کی رائے سے ہو اُسے جنگل میں پھینک دو۔ حضرت جابر بن زیدؒ سے کہا گیا کہ لوگ آپ سے جو سُنتے ہیں اُسے لکھ لیتے ہیں تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہ پڑھکر فرمایا یہ اُسے لکھتے ہیں اور میری تو یہ حالت ہے کہ میں دوسرے ہی دن اُس سے رجوع کر لیتا ہوں۔ حضرت سفیان بن عُیینہؒ فرماتے ہیں رائے کا اجتہاد اہل علم کا آپس کا مشاورہ ہے نہ یہ کہ کوئی ایک شخص اپنی رائے سے کوئی

میرے نزدیک تو یہ سب دلیل و حجت ہونے میں یکساں اور برابر ہیں۔ حجت و دلیل تو صرف حدیث رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام احمدؒ کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں فرماتے ہیں:

دِیْنُ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اٰثَارٌ ؛ نِعْمَ الْمَطِیَّۃُ لِلْفَتٰی الْاَخْبَارُ
لَاتَخْدَ عَنَّ عَنِ الْحَدِیْثِ وَاَھْلِہٖ ؛ فَالرَّأْیُ لَیْلٌ وَالْحَدِیْثُ نَھَارٌ
وَلَرُبَّمَا جَھِلَ الْفَتٰی طُرُقَ الْھُدٰی ؛ وَالشَّمْسُ طَالِعَۃٌ لَّھَا اَنْوَارٌ

یعنے دین محمدی صرف وہی ہے جو حدیث و قرآن میں ہے۔ راہِ عقبیٰ کو صحیح طور پر طے کرنیکے لئے صرف یہی ایک سواری ہے۔ حدیث اور اہلحدیث سے دل میں کوئی کدورت نہ رکھو۔ سمجھ لو کہ رائے قیاس رات ہے اور حدیث شریف دن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی انسان ہدایت کی راہیں اُس وقت بھی کھو لجائے جبکہ سورج اپنی نورانی شعاعیں ہر طرف جگمگا رہا ہو۔ بعض اہل علم نے اپنے شعروں میں کہا ہے کہ علم وہی ہے جو فرمانِ خدا ہو فرمانِ رسول ہو جس پر صحابہ بالاتفاق کاربند رہے ہیں۔ اسکا نام علم نہیں کہ تو حدیث و قرآن اور واہی رائے کے درمیان اپنی بیوقوفی سے خلاف کا جھنڈا گاڑ دے۔ نہ یہ کہ اپنی جہالت سے تو فرمانِ رسول ؐ کے مقابلے میں کسی فقیہ و مجتہد کا قول لے آئے۔ نہ یہ کہ تو قرآن و حدیث کی باتوں کو محض اس ڈر سے رد کر دے کہ اس سے تو خدا کے لئے جسم ثابت ہو جائیگا اور اس سے تو خدا کیلئے تشبیہ لازم آجائیگی۔ خدا رسول کی باتیں اس سے پاک اور بہت بلند ہیں کہ تو انہیں بیکار ثابت کرے اور انہیں اُنکی جگہ پر تسلیم نہ کرے۔

فصل

اب جو رائے محمود اور اچھی ہے اُس کی نسبت بھی سنئے۔ اس کی بھی کئی قسمیں ہیں اوّلاً تو وہ جو اس تمام امت سے زیادہ سمجھ رکھنے والے سب سے زیادہ پاک دل سب سے بڑھ کر عالم سب سے کم تکلف والے سب سے عمدہ مقصد رکھنے والے سب سے زیادہ کامل فطرت والے سب سے بہتر عقل والے سب سے زیادہ تیز فہم جو قرآن کے نازل ہونیکے وقت موجود تھے جو اصلی معنی جانتے تھے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو خوب سمجھے ہوئے تھے پس اُن کی رائے اور علم اور مقصد کی نسبت حضورؐ کی جانب ہی سمجھنی چاہیئے جو انہیں آپکی ہمنشینی کی تھی۔ ان میں اور ان کے بعد والوں میں وہی فرق معتبر ہے جو اُنکی اور انکی فضیلت میں ہے۔ پس انکے بعد والوں کی رائے اور انکے علم میں وہی مناسبت ہے جو اُنکی اور انکی فضیلت میں فرق ہے۔ حضرت امام شافعی رح اپنے رسالہ بغدادیہ میں لکھتے ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم کی بزرگی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اس کتاب قرآن مجید میں اور تورات و انجیل میں بیان فرمائی ہے۔ حدیثوں میں جو فضیلت ان بزرگانِ دین کی آئی ہے وہ بہت ہی ہے اُس فضیلت سے اُن کے بعد کے سب محروم ہیں۔ پس جناب باری اُن پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں جو بزرگی عطا فرمائی ہے وہ انہیں مبارک کرے اور صدیقین اور شہدا اور صالحین کی اعلیٰ منزلوں تک اُنہیں پہنچائے اُنہوں نے اپنی دیکھی بھالی سنتیں اور حدیثیں ہمیں پہنچائیں ان کی موجودگی میں وحیِ خدا نازل ہوتی رہی انہیں خوب معلوم تھا کہ کونسی آیت خاص ہے عام ہے کونسا حکم لازمی ہے اور کونسا نہیں وغیرہ ساتھ ہی اُن کے سامنے وہ طریقۂ رسول تھا جو ہمارے سامنے نہیں وہ علم میں اجتہاد میں پرہیزگاری میں عقل میں ہمارے سردار تھے اور ہم پر فوقیت رکھتے تھے جس چیز کو اُنہوں نے علم سے حاصل کیا اور استنباط کیا اُس میں اُن میں اور ہم میں وہی فرق ہے جو اوپر بیان ہوا اُنکی رائیں ہماری رایوں سے بہت ہی عمدہ اور نہایت ہی اولیٰ اور اعلےٰ ہیں اُنکے بعد جتنے بزرگانِ دین اور قابلِ ذکر علماء کرام گذرے ہیں یا جن جن بزرگوں کے دیدار ہمیں ہوئے ہیں یا جنکے تذکرے ہمارے کانوں تک پہنچے ہیں ہم تو یہی سنتے اور دیکھتے رہے کہ جس کسی مسئلے میں اُنہیں حدیث نہیں ملتی تھی اقوالِ صحابہ کو لیتے تھے۔ اگر اُنکا متفق علیہ مسئلہ مل گیا تو کیا ہی کہنا ہے نہ ملا تو جس کا قول ٹھیک نظر آیا لے لیا۔ ہم آپ بھی یہی کرتے اور کہتے ہیں انکے اقوال سے باہر نہیں جاتے ان میں سے ایک نے بھی کچھ کہدیا ہو اور اُسکے خلاف ان میں سے کسی کا قول نہ ہو تو بھی ہم اُسے مضبوطی سے لے لیتے ہیں۔ پس خیال فرمایئے کہ صحابہ کے اقوال کی قدر و عزت حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کہاں تک اور کتنی تھی رحمہ اللہ۔ جدید میں آپ نے کتاب الفرائض کے دادا اور بہنوں کی میراث کے بارے میں فرمایا ہے یہ وہ مذہب ہے جسے ہمنے زید بن ثابت رضؓ سے لیا ہے۔ بلکہ اکثر فرائض ہمنے اُنہی سے لئے ہیں۔ ایک جگہ امام صاحب رح لکھتے ہیں کہ قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ راہب کو قتل کر دیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان اسکے خلاف ہے۔ خیال فرمایئے کہ قیاس کو قولِ صحابی کے مقابلہ میں کیسا صاف طور پر ترک کر دیا؟ بلکہ بدعت کے بیان میں آپنے فرمایا ہے کہ بدعت وہ ہے جو کتاب و سنت کے یا کسی صحابی کے اثر کے خلاف ہو۔ پس قول صحابہ کے خلاف قول کو بھی آپ بدعت بتلاتے ہیں اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اس مسئلہ کی پوری صراحت انشاء اللہ العظیم ہم اُس مخصوص بحث میں کر دینگے جہاں ہمنے بیان کیا ہے کہ صحابہ کے فتوے کیخلاف فتویٰ دینے کو امام صاحبنے حرام فرمایا ہے اور اُن کے فتووں کی اتباع کو آپنے

کے بدلے جو بیٹے اپنی رائے سے بتلایا ہے کوڑے کھانا منظور کرلیتا۔ افسوس باوجود کشادگی کے بیٹے اسکی طرف سبقت کیوں کی؟ میں رائے سے فتوے کیوں دئے؟ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رائے پر جس نے نظر ڈالی پھر اُس سے توبہ کرلی اُسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی دیوانہ ہو اور وہ علاج معالجے سے اچھا ہوجائے اور اب سوچنے لگا کہ اسپر کیا کیا گذری؟ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رائے سے فتوے وہی لوگ دیتے ہیں جنکے دل میں دغل اور فساد ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ضعیف سے ضعیف حدیث بھی مجھے رائے سے بہت ہی محبوب ہے آپکے صاحبزادے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کوئی شخص ایک شہر میں ہے وہاں اہلحدیث بھی ہیں لیکن ایسے کہ صحیح اور ضعیف حدیث کی تمیز اُنہیں نہیں اور وہاں اہل رائے بھی ہیں پھر اُسے کوئی مسئلہ پیش آجائے تو کس سے دریافت کرے؟ آپنے فرمایا اہلحدیث سے پوچھے ضعیف حدیث بھی میرے نزدیک رائے سے اچھی اور قوی ہے۔ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب کے مذہب میں ضعیف حدیث رائے قیاس سے اولیٰ ہے اسی پر آپکے مذہب کی بنا ہے۔ جیسے کہ پہلے بیان گذر چکا ہے کہ قہقہہ کی ضعیف حدیث کو آپ نے رائے قیاس پر مقدم رکھا سفر میں کھجور کے شیرے کے پانی سے وضو کرنے کی ضعیف حدیث کو آپنے رائے قیاس پر مقدم رکھا۔ دس درہم سے کم کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹنے کی ضعیف حدیث کو آپنے رائے قیاس پر مقدم کیا۔ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن کی ہونیکی ضعیف حدیث کو آپنے رائے قیاس پر مقدم رکھا۔ جمعہ کی اقامت کیلئے مصر کی شرط ہونیکی بالکل واہی روایت کو بھی آپنے رائے قیاس پر مقدم رکھا۔ بلکہ غیر مرفوع آثار کی بنا پر کنوئے کے مسائل میں قیاس کو ترک کر دیا۔ پس ضعیف حدیث کو بلکہ آثار صحابہؓ کو بھی قیاس و رائے پر مقدم رکھنا یہی آپکا بھی قول تھا اور یہی قول حضرت امام احمدؒ کا بھی تھا۔ ہاں اتنا خیال رہے کہ سلف کی اصطلاح میں ضعیف حدیث سے مراد پچھلوں کی اصطلاحی ضعیف حدیث نہیں بلکہ جن حدیثوں کو متاخرین حسن کہتے ہیں وہ بھی سلف کی اصطلاح میں کبھی ضعیف کہدی جاتی ہے جیسے کہ اس کا تفصیلی بیان پہلے گذر چکا ہے۔ الغرض تمام سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اُس رائے قیاس کی مذمت میں متفق ہیں جو کتاب و سنت کے خلاف ہو نہ اُس پر عمل کرنا جائز نہ اُس پر فتوی دینا جائز نہ اُس پر فیصلہ کرنا جائز۔ اور وہ رائے جس کی مخالفت حدیث و قرآن سے ظاہر نہ ہو نہ موافقت ظاہر ہو اُس کی بابت زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ بوقتِ حاجت تا حاجت اُس پر عمل کرے لیکن یہ نہیں کہ کسی پر عمل کرتا رہے نہ یہ کہ اُس کے مخالف پر کوئی انکار کرے۔

حضرت یحییٰ جب ابن وہب کے پاس آتے آپ پوچھتے کہاں سے آرہے ہو وہ کہتے ابن قاسم کے پاس سے تو آپ فرماتے اللہ سے ڈرو یہ اکثر مسائل رائے کے ہیں۔ امام ابن دینار نے تو پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ رائے سے کبھی کوئی فتوے ہی نہ دیں۔ انہیں تو بس یہی پسند تھا کہ حدیث سے فتویٰ دیں لیکن افسوس اُن کی عمر نے وفانہ کی حسن بن واصل فرماتے ہیں کہ تم سے پہلے کے لوگ اُسی وقت ہلاک ہوئے جب اُن میں پھوٹ پڑگئی سیدھے اور صاف راستے سے ہٹ کر متفرق کئی کئی راہوں میں وہ بٹ گئے دین میں رائے کو دخل دیا خود بھی بہکے اور اوروں کو بھی بہکا دیا۔ امام مسروقؒ فرماتے ہیں جو امر اللہ سے ہٹ کر رائے کی طرف ہوجاتا ہے وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔ ابن شہابؒ نے لوگوں کی اس حالت کا بیان کرتے ہوئے کہ اُنہوں نے رائے کے رگڑے میں آکر سنت چھوڑدی ہے فرمایا کہ یہود و نصرانی کے ہاتھوں سے بھی علم خدا اُسی وقت چھوٹا جبکہ وہ رائے کے دلدادہ بنگئے اور اسی میں مشغول ہوگئے۔ امام ابن جریرؒ نے اپنی کتاب تہذیب الآثار میں ذکر کیا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُسی وقت اس جہان سے قبض کئے گئے جبکہ یہ امر دین کامل مکمل ہوچکا۔ پس آثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اتباع کرنی چاہیئے رائے کے پیچھے نہ لگنا چاہیئے۔ خیال تو کرو آج اگر تمنے ایک کی رائے مان لی کل اُس سے تیز رائے دوسرے کی ہوئی اُسے مانوگے پھر تو کوئی انتہا ہی نہیں رہیگی کس کس کی مانتے چلے جاوگے۔ ایک شخص نے قاسم بن محمد سے کوئی مسئلہ پوچھا آپنے بتلادیا جب وہ جانے لگا تو آپنے بُلاکر اُس سے فرمایا کہ ہرگز یہ نہ کہنا کہ میرے پاس حق ہی ہے بلکہ تجھے جب تک کوئی اور حق بات نہ ملے تو مجبوری ہے اسی پر عمل کرلینا۔ ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسائل کے کثرت سے جواب دینے کے سخت مخالف تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اے ابوعبداللہ جسکا تمہیں علم ہو وہ بتلاؤ اور جسے نہ جانتے ہو اُس سے خاموشی اختیار کرو لوگوں کی گردن میں تقلید کے برے پٹے نہ ڈالو۔ سحنون بن سعید فرماتے ہیں رائے کی وبا کی خرابی میری تو سمجھ سے باہر ہے اسی نے خون ناحق کرائے اسی نے حرام شرمگاہیں حلال کرائیں۔ اسی سے حقوق کی پامالی ہوئی ان تمام خرابیوں کی جڑ یہی ہے کہ جہاں کسی نیک صالح شخص کو دیکھا اور اُسکی تقلید شروع کردی۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی رائے ہو یا امام مالکؒ کی رائے ہو یا امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہو

قضا کرلیں اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ اور جو حائضہ عورت صبح صادق سے پہلے پاک صاف ہوجائے وہ مغرب عشا کی نماز پڑھ لے۔ اور غروب آفتاب سے پہلے پاک ہو تو ظہر عصر کی نماز پڑھ لے۔ اسی طرح کلالہ وغیرہ کے بارے میں۔ حضرت ابوبکر رضؓ سے جب کلالہ کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا میں اس میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر درست ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نادرست ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ میرے نزدیک کلالہ وہ ہے جس کا باپ اور بیٹا نہ ہو۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر میں قرآن شریف کی کسی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے کردوں تو مجھے کون سا آسمان اپنا سایہ دیگا اور کونسی زمین اپنے اوپر چلنے دیگی؟ اور حدیث میں بھی ہے کہ قرآن میں جو رائے زنی کرے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ پھر حضرت صدیق رضؓ کی رائے لگانا ان دونوں باتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ رائے کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ رائے جس پر کوئی دلیل نہیں صرف تخمینہ اور اٹکل اور گمان ہے۔ اسی سے حضرت صدیق رضؓ نے پناہ لی ہے اور ایک آپ ہی کیا تمام صحابہ اس سے دور تھے۔ دوسری وہ ہے جو قرآن حدیث کی کسی صاف ایک یا کئی دلیلوں سے مستند کرکے استدلال اور استنباط کے طور پر ظاہر کی گئی ہو پس یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی باریک بینی اور پوری طرح سمجھنے کی ایک لطیف اور پاکیزہ مثال ہے۔ اسی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کلالہ کی بابت فرمانا ہے کہ جس کا والد و ولد نہ ہو۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کلالہ کا ذکر اپنی ذی عزت کتاب میں دو جگہ کیا ہے ایک میں تو اُس کے ساتھ ماں زاد بہن بھائی کو وارث ٹھیرایا ہے تو کوئی شک نہیں کہ یہ کلالہ باپ اور بیٹے کے سوا ہے دوسری جگہ اُس کے ساتھ سگے یا سوتیلے بھائیوں کو نصف یا دو ثلث کا وارث ٹھیرایا ہے پھر لوگوں نے اس کلالہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اس میں صحیح قول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہی ہے نہ کہ اُس کے سوا کوئی اور بھی۔ یہی قول لغت عرب کے مطابق ہے چنانچہ عربی شعر میں ہے وَرِثْتُمْ قَنَاةَ الْمَجْدِ لَا عَنْ كَلَالَةٍ ؛ عَنِ ابْنَيْ مَنَافٍ عَبْدِ شَمْسٍ وَهَاشِمِ۔ یعنے تمنے یہ بزرگی باپ دادوں سے حاصل کی ہے خاص انہی کے نسب سے۔ پس سوتیلا یا سگا بھائی باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوسکتا نہ دادا کی موجودگی میں۔ جیسے کہ اُسے انہوں نے لڑکے اور پوتے کی موجودگی میں بھی وارث نہیں بنایا ہاں لڑکیوں کے ساتھ بطور عصبہ کے وارث مقرر کیا ہے پس اُن کے لئے وہ ہے جو مقررہ حصوں سے بچ رہے

فصل رائے محمود کی تیسری قسم وہ ہے جس پر اُمت کا اتفاق ہے سلف کا اور خلف کا بھی یہ وہ رائے ہے جو قطعاً درست اور ٹھیک ہوتی ہے کیونکہ اُس کی راستی پر سب متفق ہوتے ہیں جیسے کہ انہوں نے روایت خواب پر اتفاق کیا۔ صحابۂ کرام نے جبکہ لیلۃ القدر کے رمضان شریف کے آخری عشرے میں ہونے کے خواب دیکھے تو حضورؐ نے فرمایا میری رائے میں تو تمہارے خواب آخری ہفتے میں موافق ہوگئے ہیں۔ پس مومنوں کے خواب کی مطابقت کو آپ نے معتبر مانا۔ ثابت ہوا کہ اُمت جس روایت و رؤیت پر متفق ہوجائے اُس میں وہ خطا سے معصوم ہے۔ اسی لئے ٹھیک اور درست وہ رائے ہوتی ہے جو شوریٰ سے طے ہوئی ہو شخصی رائے نہ ہو۔ مومنوں کی مدح میں قرآن کریم نے یہی فرمایا ہے کہ اُن کا کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔ یہ ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہ جب اُن کے سامنے کوئی ایسا واقعہ آپڑتا جس میں آپکو قرآنی یا حدیثی فیصلہ معلوم نہ ہوتا تو صحابہ کو جمع کرکے مشورہ کرتے۔ مسیب بن رافع کے سامنے جب کوئی ایسا ہی کام آپڑتا تو اہلِ محلہ کو جمع کرکے اُن کے سامنے پیش کردیتے اور اُن کی اجتماعی رائے سے لیتے۔ حضرت امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شریح رحؒ سے فرمایا کہ تمہیں جو فیصلہ نبوی معلوم ہو اُس کے مطابق فیصلہ کردو اور اگر نہ معلوم ہو تو ائمۂ ہدایت کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کردو یہ بھی نہ معلوم ہو تو اپنی رائے میں اجتہاد کیجئے اور اہل علم و صلاح سے مشورہ لیجئے۔ آپ نے ان ہی کی طرف لکھا کہ جب کوئی ایسی بات آپڑے کہ بغیر جواب چارہ ہی نہ ہو تو کتاب اللہ کے مطابق کہو اگر اُس میں نہ پاؤ تو سنتِ رسول اللہ کے مطابق کہو اگر اُس میں بھی نہ ملے تو صالحین عادلین ائمہ کے فیصلوں کو جاری کردو۔ اگر اس میں بھی نہ ملے تو پھر تمہیں اختیار ہے خواہ اپنے اجتہاد سے طے کردو خواہ مجھ سے مشورہ لےلو اور مجھ سے مشورہ لینا بہتر ہے۔

فصل اچھی رائے کی چوتھی بہترین قسم یہ ہے کہ واقعہ کے علم کے بعد قرآن میں دیکھا جائے نہ ملے تو سنت میں نہ ملے تو خلفاء راشدین کے فیصلوں میں نہ ملے تو ان میں سے دو ہی کے فیصلے میں نہ ملے تو ایک ہی کا فیصلہ ہی نہ ملے تو صحابۂ میں سے کسی کا قول یہ بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور فیصلہ جات صحابہ سے جو زیادہ نزدیک نظر آئے وہ۔ یہ ہے وہ رائے جسے صحابہ نے

واجب کہا ہے اور فرمایا ہے کہ انکے اقوال سے باہر نہ جانا چاہیئے اور ائمہ کرام سب اسپر متفق ہیں۔ یہاں تو مقصود صرف اسقدر ہے کہ صحابہ کی رائے تمام امت کی رائے سے افضل و احسن ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ اس میں کسی کو خلاف کرنے کی جرأت نہ ہوگی ان بزرگوں کی رائے کے مطابق تو قرآن بھی نازل ہوا ہے بدری قیدیوں کے بارے میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے ہوتی ہے کہ ان کی گردنیں ماری جائیں قرآن بھی اسی رائے کی موافقت کرتا ہے۔ ازواج مطہرات کو پردے میں رکھنے کی آپکی رائے ہوتی ہے۔ وہی حکم جناب باری اپنی کتاب میں نازل فرماتا ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم کو قبلہ بنانا چاہیئے وہی آیت قرآن میں اُترتی ہے۔ ازواج نبی جب غیرت کی وجہ سے جمع ہو جاتی ہیں آپ انہیں آکر دھمکاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یاد رکھنا اگر تمہیں حضور طلاق دیدینگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے آپکو ادر مسلمان مومن عورتیں دیگا الخ انہی لفظوں میں قرآن اُترتا ہے۔ عبداللہ بن اُبی کے جنازے کی نماز کیلئے حضورؐ کھڑے ہوتے ہیں آپ چادر پکڑ کر ہٹانا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ یہ تو منافق تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی اُسکے جنازے کی نماز پڑھ لیتے ہیں اُسی وقت فرمانِ خدا ہوتا ہے کہ خبردار ایسا خیال رکھنا کہ ان میں سے کوئی بھی مرجائے تم اُن کے جنازے پر آگے نہ بڑھنا نہ اُنکی قبر پر کھڑے رہنا۔ بنو قریظہ کے معاملے میں جب کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا اور آپنے فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انکے لڑنے والے قتل کر دئیے جائیں انکے بال بچے گرفتار کر لئے جائیں انکے مال غنیمت میں لے لئے جائیں حضورؐ نے فرمایا تم نے انکے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو فیصلہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کیا ہے۔ اُس عورت کے بارے میں جس کا مہر نہیں کھلا تھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بار بار پوچھا گیا لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا مہینہ بھر کی آمدورفت کے بعد آخر میں آپنے فرمایا کہ میں اپنی رائے سے اس مسئلے کو حل کرتا ہوں اگر میری رائے درست نکلی تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر نادرست نکلی تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اُس کا رسول اُس سے بری ہے میری رائے تو یہ ہے کہ اس کے گھرانے اور خاندان کی عورتوں کے مہر کے برابر اسکا مہر اسے ملنا چاہیئے نہ اُس میں کمی ہو نہ زیادتی ہو یہ اپنے فوت شدہ خاوند کا ورثہ بھی پائیگی اور اسے پوری عدت بھی گذارنی پڑیگی

اُسی وقت قبیلہ اشجع کا شخص کھڑا ہوا اُنہوں نے کہا ہماری گواہی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہماری قوم کی ایک ایسی ہی عورت کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا اُس عورت کا نام بروع بنت واشق تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یہ سنکر حضرت ابن مسعودؓ اسقدر خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد اس سے زیادہ خوشی آپ کو اور کسی بات سے نہیں ہوئی تھی۔ پس جن بزرگوں کی رائیں اس مرتبے کی ہوں اُن کی رائیں ہمارے لئے ہماری اپنی رایوں سے بدرجہا بہتر کیوں نہ ہوں؟ ہاں ہاں یہ اُن کی رائیں ہیں جن کے دل ایمان و حکمت سے علم و معرفت سے فہم و فراست سے خدا رسول کی باتوں کی سمجھ اور امت کی خیرخواہی سے پُر تھے اُن کے دلوں پر نبوت کا پرتو پڑا ہوا تھا وہ چراغ نور سے بہلی اور نزدیک کی روشنی میں تھے اُن کا ایمان و علم بے واسطہ ذات نبی سے حاصل شدہ تھا جس میں کوئی مشکل کوئی شبہ کوئی اختلاف مطلقاً نہ تھا جسے کسی معارض نے میلا نہیں کیا تھا۔ پس جو شخص ان کے سوا اوروں کی رایوں کو ان کی رائے پر قیاس کرے سمجھ لو کہ اُس کی سمجھ کہاں تک ہے؟ دنیا میں اگر کوئی بد سے بدتر قیاس ہے تو یہی ہے۔

فصل عمدہ رائے کی دوسری قسم وہ رائے ہے جو صریح احکام کے ظاہر لفظوں کی تفسیر میں ہو اُن کی دلالت کی وجہ بیان کرتی ہو اُن کی تقریر کرتی ہو اُن کی اچھائیوں کی توضیح کرتی ہو اُن سے مسائل حاصل کرنے کی راہ آسان کرتی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں جس پر تجھے اعتماد ہو وہ تو حدیث ہی ہو رائے صرف وہ ہے جو تیرے سامنے تفسیر حدیث بیان کرے یہی وہ فہم ہے جسے خدائے تعالیٰ اُنہی کو دیتا ہے جن پر اُس کی مہربانی بھری نگاہ ہوتی ہے۔ اس کی مثال میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرائض کے ازدحام کے موقعہ پر عول کرنا ہے اُن کی اس رائے کو دیکھیئے جو اس مسئلہ میں ہے کہ میت کے وارثوں میں خاوند ہے ماں ہے باپ ہے یا بیوی ہے اور ماں باپ ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں زوجین کے مقررہ حصے کے بعد جو بچے اُسکا تہائی حصہ ماں کو ملے گا۔ اور اُن کی رائے طلاق بتہ ملی ہوئی عورت کو وارث بنانے کی جبکہ وہ طلاق موت کی بیماری میں ہوئی ہو۔ اور اُن کی رائے ولاء کے آگے بڑھانے میں اور محرم کے بارے میں جبکہ وہ اپنی بیوی سے مل لیا ہے کہ اُس کا حج فاسد ہو جائیگا لیکن اُسے پورا کرنا پھر اُس کی قضا کرنا اور قربانی دینا اگلے سال اُس پر واجب ہے۔ اور اُن کی رائے حاملہ کے اور دودھ پلانیوالی عورت کے بارے میں جبکہ انہیں اپنے بچے پر خوف ہو کہ یہ روزہ نہ رکھیں اور

سامنے کوئی قضیہ لایا جائے تو تو سمجھ بوجھ لے۔ یعنے فہم کی صحت اور مقصد کی اچھائی بھی خدا کی اعلیٰ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے بلکہ اسلام کے بعد اس سے افضل و اعلیٰ اور کوئی نعمت نہیں بلکہ اسلام کے یہ دونوں قدم ہیں اسی پر اسلام کا قیام ہے۔ انہی سے انسان خدا کے غضب والوں کے راستے سے بچتا ہے جن کا قصد اچھا نہ تھا اور گمراہوں کے رستے سے محفوظ رہتا ہے جن کی فہم اور سمجھ فاسد اور بگڑی ہوئی تھی۔ بلکہ وہ اُن لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جن پر خدا کا انعام ہے۔ جن کے فہم و مقصد نیک ہیں جو صراطِ مستقیم والے ہیں جس کے طلب کرنے کی ہمیں ہدایت ہوئی ہے کہ ہر نماز میں یہ دُعا کرتے ہیں۔ صحتِ فہم ایک نور ہے جو خدائے تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے جس سے وہ صحیح و فاسد کو حق و باطل کو ہدایت و ضلالت کو بُرائی بھلائی کو تمیز کر لیتا ہے پھر اس کا بھلا مقصد اور تلاشِ حق اور ظاہر باطن میں خدا کا ڈر اُس کی اور بھی امداد کرتا ہے اور اتباعِ خواہش اور ترجیح دنیا اور مخلوق کی تعریف کی خواہش اور پرہیزگاری کا ترک بالکل ہی اُس سے چھوٹ جاتا ہے۔ فہم و فراست کی دو ہی قسمیں ہیں جن سے انسان مفتی اور حاکم بن کر حق فتوی اور سچا حکم دے سکتا ہے۔ ایک تو نفس واقعہ کو صحیح طور پر سمجھ لینا حقیقت تک قرائن علامات اور نشانات سے پہنچ جانا اور پورا واقعہ ذہن نشین کر لینا۔ دوسرے اُس واقعہ کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے سمجھ لینا پھر ایک کو دوسرے سے ملا دینا۔ پس جو شخص پوری کوشش سے دماغ پاشی کرے اور اپنی طاقت بھر محنت سے جد و جہد کرے تو یقیناً اُسے دو دو اجر ملتے ہیں ورنہ کم از کم ایک سے تو خالی نہیں۔ دراصل عالم وہی ہے جو واقعہ کی اصلیت کو پالے پھر خدا رسولؐ کے حکم کو سمجھ کر اس پر جاری کرے۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ آپ کے کرتے کے پیچھے کے رُخ سے پھٹے ہوئے ہونے سے آپ کی صداقت و برأت تک پہنچ گیا۔ اور جیسے کہ سلیمان علیہ السلام نے یہ حکم دیکر کہ چھری لاؤ میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے ان دونوں دعوے دار ماؤں کے درمیان اسے تقسیم کر دوں۔ اصلی ماں کو پہچان لیا۔ اور جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس عورت سے جو خط لیکر جا رہی تھی یہ فرما کر کہ یا تو تو وہ خط ہمارے

حوالے کر ورنہ ہم تیرے کپڑے اُتار کر تیری تلاشی لینگے خط کو حاصل کر لیا۔ اور جیسے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ابوالحقیق کے ایک بیٹے کو سزا دی کہ وہ اُس خزانے کو بتلا دے جسے انہوں نے چھپا دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ مال سب خرچ ہو گیا آپ نے فرمایا مال بہت تھا اور کوئی اتنا زیادہ وقت نہیں گذرا۔ اس لئے تیری بات غلط ہے آخر وہ خزانہ نکلوایا۔ اور جیسے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اُن لوگوں نے جن پر چوری کا الزام تھا سزا دی کہ اُن سے چوری کا مال برآمد کرالیں اور اگر تس پر بھی نہ نکلے تو تہمت لگانے والوں کو سزا دی جائے اور بتلا دیا کہ یہی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جو شخص شریعت کو اور صحابہ کے فیصلوں کو بنظرِ تامّل دیکھے گا وہ پالیگا کہ وہ اس بات سے پُر ہیں۔ اور جو شخص اس طریقے کو چھوڑ دیگا وہ لوگوں کے حقوق ضائع کرتا پھریگا اور پھر اُسے شریعت کی طرف منسوب کرتا رہیگا۔ حضرت عمرؓ کے خط میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تیرے سامنے کوئی فیصلہ لادا جائے اس میں لفظ فَمَا اُدْلِیَ اِلَیْکَ ہیں۔ یہ عرب کے محاورے اَدْلیٰ فُلَانٌ بِحُجَّتِہٖ سے ماخوذ ہے۔ قرآن میں ہے وَتُدْلُوْا بِھَآ اِلَی الْحُکَّامِ یعنے تم اُسے حکام کو پہنچاؤ اور اُن کے حکم کو ناحق مال کے کھا جانے کا ذریعہ بنا لو۔ اس پر اگر کہا جائے کہ اس مطلب کے لئے لفظ وَتُدْلُوْا بِالْحُکَّامِ اِلَیْھَا ہونا چاہئے۔ لیکن تُدْلُوْا بِھَآ اِلَی الْحُکَّامِ سے تو مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ حاکموں کو رشوت دیکر مالِ باطل اُڑا کھاؤ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے دونوں مطلب ہیں۔ اس حق میں ایک قول یہ ہے کہ حق بات کو صرف زبان سے نکالنا جسے جاری نہ کیا جائے سود مند نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حق کی ولایت اُس کے جاری کرنے میں ہے جب وہ جاری نہ کیا جائے تو ولایت نہ رہی۔ اب یہ شخص ایسا ہو گیا جو ولایت سے معزول کر دیا جائے۔ پس حاکم جو حق بات اور صحیح فیصلہ کرے اُسے جاری بھی کر دے جو حکم دے اُس پر عمل بھی کرا دے اگر اُس میں اتنی قوت طاقت نہیں کہ اپنے فیصلے کو منوالنے اور اُس پر عمل کرنے کے لئے مجبور کر دے تو صرف اُس کا فیصلہ یا اُس کا حکم بے سود ہے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اُن بندوں کی مدح کی ہے جو حق کے علم کے ساتھ اُسے منوانے اور اُس پر بقوت عمل کرانے کی بھی قدرت رکھتے ہوں۔

جائز رکھی استعمال کیا اور بعض نے بعض کو اس پر برقرار رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے چکا کر ایک گھوڑے کا سودا کیا وہ گھوڑا لنگڑا ہو گیا۔ گھوڑے والا آپ سے جھگڑا کرنے لگا آپ نے فرمایا اچھا کسی تیسرے شخص کو حکم مان لو اُس نے کہا میں شُرَیح کوفی کے فیصلے پر رضامند ہوں۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ جب گھوڑا صحیح سالم حالت میں لیا گیا تو ویسا ہی دینا بھی ضروری ہے۔ آپکو اُن کا فیصلہ اچھا معلوم ہوا اور اُنہیں قاضی بنا دیا۔ اور فرمایا کتاب اللہ میں جو چیز ظاہر ہو اُس کی بابت تو کسی سے سوال نہ کرنا ہو تو پھر ظاہری سنّت کو لینا اُس میں بھی نہ ملے تو اپنے قیاس میں پوری کوشش کرنا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کے پاس جو تحریریں اور فرمان امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گئے تھے اُن میں تھا کہ قضا مضبوط فریضہ اور لائق پیروی سنّت ہے جب بھی کوئی قصہ پیش آئے تو تو اُنہی کو سمجھ کر فیصلہ کر؟ حق بات کا منہ سے نکال دینا پورا فائدہ اُسی وقت دیتا ہے جبکہ اُسے جاری بھی کیا جائے"۔ اپنی مجلس اپنی ذات اور اپنے فیصلوں سے لوگوں کو اتنا ہوشیار کر دے کہ کوئی بڑا آدمی تیرے ظلم کی لالچ نہ کرے اور کوئی چھوٹا آدمی تیری بے عدلی کا خوف نہ کرے۔ یاد رکھ دلیل اور ثبوت مدعی کے ذمّے ہے اور قسم انکاری کے ذمّے ہے مسلمان جس چیز پر آپس میں صلح کر لیں وہ درست ہے بجز اُس صلح کے جس کے باعث کوئی حرام حلال ہو جاتا ہو یا کوئی حلال حرام ہو جاتا ہو جو شخص کوئی غائبانہ حق یا دور کی دلیل پیش کرنا چاہے اُسے وقتِ مقررہ تک کی ڈھیل دو اگر اُس مدت میں وہ ثبوت پیش کر دے اُس کا حق اُسے دلوا دو نہ کر سکے تو اُس پر فیصلہ جاری کر دو یہ عذر کو کاٹ دینے کے لئے بہترین چیز ہے اور علما کے لائق یہی کام ہے یاد رہے کہ اگر آج کوئی فیصلہ کر دیا اور کل اُس کے خلاف ظاہر ہوا تو اس سے نہ شرمانا کہ اب میں اپنے پہلے کے فیصلے کے خلاف کیوں کروں؟ تمہیں چاہئے کہ اُسی وقت حق کی جانب بازگشت کرو۔ حق سے قدیم کوئی چیز نہیں حق کی طرف لوٹ آنا اس سے بہت بہتر ہے کہ گمراہی پر اَڑے رہنا مسلمانوں کی گواہیاں آپس میں ایک دوسرے پر معتبر ہیں۔ سوائے اُن کے جن کی جھوٹی شہادت کا تجربہ ہو چکا ہو یا جنہیں کسی حد کے کوڑے لگ چکے ہوں۔ یا وہ متہم کہ جسکے لئے بطور گواہ پیش ہوا ہے اُسکی ماتحتی غلامی میں رہ چکا ہو یا متہم قریبی رشتہ دار ہو۔ بندوں کی پوشیدگیوں کا علم خدائے تعالیٰ کو ہی ہے اُس کے حکم سے بندوں پر بغیر دلیل

ظاہر کے کوئی حد دنیوی جاری نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی قضیہ اس قسم کا آپڑے کہ اُسکے بارے میں قرآن و حدیث نہ ہو تو پھر غور خوض سے اپنی فہم و فراست سے کام لو ایسے وقت کاموں کا قیاس کر لیا کرو مثالوں کو پہچان لیا کرو۔ پھر جو چیز خدا کی محبت کے قریب اور حق کے نزدیک نظر آئے اُسے مقصود بنا لو۔ سنو غضب و غصے سے لوگوں پر تنگی ترشی کرنے سے اُنہیں ایذا دینے سے بیہوشی اور نیند کے وقت فیصلوں سے بچو۔ حق کی جگہ میں صحیح فیصلہ وہ چیز ہے جس سے خدا تعالیٰ ثواب دیتا ہے اچھا ذکر کرتا ہے جس کی نیت خالص حق کی ہو گو خود اپنے خلاف بھی حق ہو تاہم وہ اُسی پر قائم رہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے اور لوگوں کے درمیان کے تمام امور سے اُسے خود ہی کفایت کرتا ہے جو شخص اپنے میں وہ دکھائے جو دراصل اُس میں نہ ہو اُسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے صرف اوسی پر خدا کے ہاں اجر ملتا ہے جو خالص اوسی کے لئے ہو جب وہ خلوص پر آخرت میں اجر دیتا ہے تو یہاں دنیا میں کیوں نہ دیگا؟ رزق رحمت کے خزانے یہاں بھی خدا مخلص لوگوں پر کھول دیتا ہے۔ اللہ کی طرف سے سلام اور رحمت تم پر نازل ہو۔ یہ ہے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فرمان جسے علما نے قبولیت سے لیا ہے اور حکم اور شہادت کے اصول اس پر قائم کئے ہیں حاکم و مفتی اسکے پورے محتاج ہیں کہ اسے خوب غور و فکر سے سوچیں سمجھیں۔ آپ کا فرمان کہ فیصلہ محکم فریضہ اور لائق پیروی سنت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حاکم کے حکم کی دو قسمیں ہیں ایک تو محکم فرض جو منسوخ نہ ہو جیسے کہ کُلّی احکام جو کتاب اللہ سے ثابت ہیں دوسرے وہ احکام جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کئے ہیں انہی دونوں چیزوں کا بیان اس حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں علم تین چیزوں کا نام ہے اسکے سوا سب فضول ہے محکم آیت قائم سنّت اور عدل والا مسئلہ میراث۔ حضورؐ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک شخص کے آس پاس لوگ بھیڑ لگائے کھڑے ہیں پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا بڑا علامہ شخص ہے۔ آپ نے فرمایا علّامہ سے کیا مراد ہے؟ لوگوں نے کہا عرب کے نسب کو عربیت کو شعروں کو اختلافِ عرب کو سب سے زیادہ جاننے والا یہی ہے آپ نے فرمایا یہ وہ علم ہے جو نفع نہیں دیگا اور یہ وہ جہالت ہے جو نقصان نہیں دیتی۔ آپ کا فرمان ہے کہ علم تین ہیں باقی سب فضولیات ہیں آیتِ محکمہ سنّتِ قائمہ فریضۂ عادلہ۔ حضرت عمرؓ کا اپنے اس رسالے میں یہ لکھنا کہ جب تیرے

اور اُس کے ہاتھ میں عمامہ ہے اور دوسرا جو اُس کے پیچھے جا رہا ہے۔ اُس کا سر کھلا ہے حالانکہ اوسے سر کھلا رکھنے کی عادت نہیں۔ پس حال کی بیّنہ اور یہ دلالت اس صورت میں مدّعی کی صداقت کے ظاہر ہونے کا فائدہ ضرور دیگی جو اُس سے کئی حصّے زیادہ ہوگا جو صرف ہاتھ فائدہ دیگا اور یہ بات بالکل ایک کھلی حقیقت ہے جسے ہر شخص مانتا ہے۔ پس یہ بالکل ناممکن ہے کہ شارع علیہ السلام ایسی دلیل اور ایسی دلالت کو مہمل کر دے اور ایسے حق کو ضائع کر دے۔ جس کا ظہور اور حجت ہر شخص جان سکتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف جب لوگوں کا خیال ہو گیا وہ حکم کے صحیح طریق کو ضائع کرنے لگے اور اُن کے ہاتھ سے بہت سے حقوق تلف ہونے لگے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک حق کے ظاہر ہونے کا ایک ہی معیّن طریقہ تھا۔ پس اس صورت میں ہر ظالم بدکار کے لیئے ظلم و بدکاری سہل ہو گئی۔ وہ اپنا کام کھلے بندوں کر گذرا اور صاف کہہ گیا کہ لاؤ دو گواہ پیش کرو۔ گواہ ملے نہیں نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے اور مخلوق کے بہت سے حق تلف ہونے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے عام حکم کا کام بھی ان کے ہاتھوں سے نکال لیا اور اس میں امارت و سیاست مل گیا جس سے اگر ایک مرتبہ کسی حق کی حفاظت ہو گئی تو دوسری مرتبہ حق ضائع بھی ہو گیا۔ اگر ایک بار عدل ہو گیا تو دوسری بار ظلم بھی ہو گیا۔ پس اگر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہوئے حکم کو اُسی کے طریق پر رکھتے تو یہ شرعی حکم افراط تفریط سے ظلم و زیادتی سے انہیں ہر وقت محفوظ رکھتا۔ اب اور سنئے ! قرآنِ کریم نے نصابِ شہادت پانچ جگہ بیان فرمایا ہے۔ سورۂ نسآ اور سورۂ نور میں تو زنا کی بابت چار گواہوں کا ہونا بیان فرمایا ہے۔ اور زنا کے سوا اور امور مثلاً مال میں دو مردوں کی یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت رکھی۔ قرض کی آیت میں فرمایا کہ اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لو۔ اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ پس یہ حکم تحمل کے بارے میں اور اُس وثیقے کے بارے میں ہے جس سے مال والا اپنے حق کی حفاظت کرتا ہے لیکن یہ حکم کے طریقے میں نہیں ہے نہ اُس میں ہے جس کے ساتھ حاکم حکم کرتا ہے یہ الگ چیز ہے اور وہ الگ چیز ہے۔ طلاق کے بعد خاوند کے رجوع میں دو گواہ معتبر ٹھہرائے

گئے ہیں جو عادل ہوں۔ سفر میں جو وصیت کی گئی ہو اُس میں دو مسلمان عادل گواہ کا حکم دیا۔ لیکن ان کے نہ ملنے پر فرمایا کہ ان کے سوا اور دو۔ ظاہر ہے کہ مومنوں کے سوا جو ہونگے وہ کفار ہونگے پس یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ کافروں کی شہادت سفر کی وصیت کے بارے میں جب کہ مسلمان گواہ نہ ملے ہوں قبول کی جائیگی۔ اسی حکم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا عمل بھی رہا اور اس حکم کی منسوخ کرنے والی کوئی آیت اس کے بعد نہیں اُتری۔ یہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے اور سورۂ مائدہ سب سے آخر اُتری ہے۔ اور اس سورت میں منسوخ آیت کوئی نہیں۔ نہ اس آیت کے خلاف اور اس کا معارضہ کرنے والی کوئی آیت ہے۔ یہ بات بالکل نادرست ہے کہ مومنوں کے سوا سے مراد اُس شخص کے قبیلے کے مومنوں کے سوا اور مومن ہوں۔ اس لئے کہ اس آیت کے مخاطب کل مومن ہیں شروع آیت میں لفظ یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا موجود ہیں کسی معیّن قبیلے سے خطاب نہیں ہو رہا کہ مِنۡ غَیۡرِکُمۡ سے مراد یہ لی جائے کہ تمہارے قبیلے کے علاوہ اور۔ نہ حضورؐ نے اس کا مطلب یہ سمجھا بلکہ خود آپنے اور آپ کے اصحاب نے اس آیت سے وہی سمجھا جو آیت میں صراحت کے ساتھ ہے۔ پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے وہ چیز بتلائی جس کے حقوق کی حفاظت ہو سکے یہ نہیں فرمایا کہ حاکم اسکے سوا کسی بات کو فیصلے کے وقت مدِّ نظر ہی نہ رکھیں۔ ایک گواہ اور انکارِ قسم قسم پر قسم مرد و زن پر قسامہ کی قسموں پر لعان کی قسموں پر فیصلہ کرنے کی مخالفت تو قرآن میں کہیں نہیں۔ اسی طرح اُن چیزوں پر جو حق کو واضح اور ظاہر کرنے والی ہیں اور حق پر دلالت کرنے والی ہیں مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مال کے بارے میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہے اسی طرح مال کے ماتحت کی چیزوں کے بارے میں بھی ہے۔ مثلاً تجارت آگی مدت اس میں اختیار رہن کسی خاص معیّن شخص کے لئے وصیت اور ہبہ اور اُس پر وقف اور مال کی ضمانت اُس کا تلف اور جس کا نسب معلوم نہ ہو اُس کی غلامی کا دعویٰ اور مہر کا تقرر اور خلع کے بدلے کا تقرر ان تمام امور میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سب کے نزدیک معتبر ہے۔ البتہ آزادگی اور مال کی وکالت اس کی وصیّت اور کسی کافر کو میدانِ جنگ میں قتل کرنے کا دعویٰ تاکہ اُس کا مال قاتل لیلے

ابراہیم اسحٰق یعقوب کی نسبت فرمان ہے کہ وہ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارْ تھے یعنے قوت اور علم والے تھے۔ اَیْدِیْ سے مراد خدا کے احکام اور حدودِ شرع کا جاری کرنا ہے اور اَبْصَارْ سے مراد دینی علم ہے۔ اس خط میں ہے کہ تو لوگوں کو نا امید کردے کہ کسی امیر کو تیرے ظلم کی طمع اور کسی غریب کو تیرے عدل سے مایوسی ہو۔ ظاہر بات ہے کہ جو حاکم اپنی عدالت میں دو جھگڑا لانے والوں میں سے ایک کی عزت آبرو کریگا۔ اُسے اچھی جگہ بٹھائیگا اُس کی طرف مائل ہوگا اُس کی تعظیم تکریم کریگا تو یہ اُسکی طرف سے ظلم اور ناانصافی کا دیباچہ ہوگا۔ ایسا حاکم ضرور رعایت کرجائیگا اور سچا فیصلہ اُس کی زبان سے نہ نکلیگا۔ پُرانی تواریخ میں ایک قصہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک قاضی نے مرتے وقت وصیت کی کہ ایک لمبی مدت کے بعد اُس کی قبر کھود کر اُس کی لاش کو دیکھی جائے کہ مٹی نے اُسے خراب کیا ہے یا نہیں؟ ۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی کسی فیصلے میں حق کے خلاف کیا ہو کسی کی رُو رعایت کی ہو کسی کی طرفداری کی ہو۔ ہاں البتہ ایک مرتبہ یہ خطا تو مجھ سے ہوئی ہے کہ دو شخص اپنا مقدمہ میرے پاس لائے اُن میں ایک میرا دوست تھا تو میں نے اُس کی باتوں کی طرف اپنا کان زیادہ لگایا۔ اپنا کان اُس کے قریب کردیا دوسرے سے ایسا سلوک نہیں کیا۔ لوگوں نے اُس کی موت کی ایک مدت بعد اُس کی وصیت کے مطابق اُس کی قبر کھول کر دیکھا تو دیکھا کہ تمام جسم اُس کا صحیح سالم جوں کا توں ہے لیکن اُس کے دونوں کان غائب ہیں مٹی انہیں کھا گئی ہے۔ اس میں دو برائیاں ہیں ایک تو یہ جس کی طرف توجہ زیادہ ہے جسے عزت کے ساتھ قریب بٹھایا گیا ہے اُس کے دل میں خیال آئیگا کہ اب کیا ہے حاکم کے دل میں میری وقعت ہے وہ ضرور میری موافقت میں فیصلہ دیگا۔ اور دوسرے کا دل لرزنے لگیگا کہ جب حاکم کے اس شخص کیساتھ تعلقات ہیں تو وہ عدل کیا خاک کریگا؟ پس اس کا دل مرجائیگا اپنی دلیل بھول جائیگا۔ آپ کا اس میں یہ فرمانا کہ دلیل مدعی کے ذمے ہے اور منکر کے ذمے قسم ہے۔ یاد رہے کہ بیّنہ یعنے دلیل کلام اللہ کلام الرسول اور کلامِ صحابہ میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق کو واضح کردے فقہا کی اصطلاحی دلیل اس سے مراد نہیں کہ وہ گواہ کو یا گواہ اور قسم کو بیّنہ کہتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ بعد کوئی حرج نہیں جب تک کہ خدا رسول کے کلام کو بھی اسی پر حمل نہ کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو ظاہر ہے کہ قرآن حدیث کے سمجھنے میں مغالطہ ہوگا اور جو مراد کلام کرنے والے کی ہوگی وہ بدل جائیگی۔ اسی گڈمڈ کی وجہ سے پچھلوں کو اگلوں کے کلاموں میں بہت سے مغالطے لگے اور بات کہیں کی کہیں پہنچ گئی اور سب کو جاتے دیکھئے اس وقت جس لفظ پر ہم ہیں اسی کی تفصیلی کیفیت سنئے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ بیّنہ کہتے ہیں ہر اُس چیز کو جو حق کو کھول دے قرآنِ کریم میں ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ اور آیت کے آخر میں ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنَاتِ اور آیت میں ہے اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ فرمان ہے عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ اور آیت میں ہے عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ اور فرمان ہے فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَاتٍ مِّنْهُ ارشاد ہے اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ دنیا بھر میں کوئی نہیں جو یہ کہہ سکے کہ ان آیتوں میں سے کسی آیت میں بیّنہ سے مراد گواہ یا گواہ اور قسم ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سارے قرآن میں لفظ بیّنہ کسی جگہ شاہد یا شاہد و یمین کے بارے میں استعمال ہی نہیں ہوا۔ اس بیان کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے فرمایا کہ کیا تیرے پاس بیّنہ ہے؟ اور حضرت عمرؓ کے اس فرمان میں جو یہ جملہ ہے کہ بیّنہ مدعی کے ذمہ ہے اسے خواہ مرفوع ہی مان لیا جائے بہرصورت بیّنہ سے مراد حق کو سچائی کو واضح کردینے والی چیز ہے خواہ وہ گواہ ہوں خواہ کوئی اور دلالت ہو۔ مقصود شارع صرف اسی قدر ہے کہ جس طرح ممکن ہو حق اور لعوا قسم نتھر آئے اُس کی دلیلیں اور اُس کے شاہد سامنے آجائیں اور حق رد نہ کردیا جائے جو دلیل ظاہر ہو جائے اُس کے مطابق حق کو حق سمجھا جائے ورنہ حقوق اللہ حقوق العباد سب ضائع اور بیکار ہو جائینگے یہ نہیں کہ کسی خاص ایک ہی امر پر سچائی کا ظاہر ہونا موقوف ہو خالانکہ اور امور بھی اظہارِ حق کے لئے اسی جیسے اور اسی کے برابر موجود ہوں جن کا رد کرنا اور جن سے انکار کرنا ممکن نہو۔ جیسے کہ شاہدِ حال کی ترجیح مجرد ہاتھ پر اس صورت میں کہ ایک شخص کے سر پر عمامہ ہو

میں سے ہونے چاہئیں ۔ اسلئے کہ گواہ رکھنے والا وہاں تو وہی ہے جو صاحب
حق ہے پس وہ ایسے گواہ مہیا کریگا جن سے وہ رضامند ہو تاکہ اس کے حق
کی پوری حفاظت ہو سکے ۔ اگر وہ عادل نہ نکلے تو گویا یہ خود اپنا حق آپ
ضائع کر رہا ہے ۔ اور پچھلی صورت میں گواہ کا طالب اُس حق کے ثبوت
پر گواہ رکھتا ہے جو اُس کے نزدیک ثابت ہے اسلئے اس میں صرف اسکی
رضامندی ناکافی ہے بلکہ اُن گواہوں کا واقع میں بھی عادل ہونا ضروری
ہے ۔ پس پہلی صورت میں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا مِمَّنْ تَرْضَوْنَ
مِنَ الشُّهَدَاءِ یعنی تمہاری اپنی پسند کے گواہ ۔ اس لئے کہ صاحب حق اپنے
مال کی حفاظت اُنہی سے کرائیگا جن سے وہ خوش ہو ۔ ہاں جب کوئی وہ شخص
جس پر کوئی حق کسی کا نکلتا ہو اور وہ کہے کہ میں فلاں کی شہادت سے
راضی ہوں تو اُس کی قبولیت میں نزاع ہے ۔ البتہ آیت کی دلالت تو
اُسکی قبولیت پر ہے ۔ بخلاف رجعت وطلاق کے کہ ان دونوں میں حق خداوندی
ہے ۔ اسی طرح وصیت کہ اُس میں غائب شخص کا حق ہے ۔ اسی کی مزید وضاحت
میں وہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے جس میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ہے کہ کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت سے آدھی نہیں ؟ پس آپ نے
مطلق بیان فرمایا ہے مقید نہیں کیا ۔ اور وہ حدیث بھی جس میں ہے کہ آپ نے
مدعی کے اس دعویٰ پر کہ اس نے میری زمین غصب کر لی ہے فرمایا کہ یا تو
دو گواہ یا اس کی قسم ۔ پس اگر یہ شخص ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہی میں گذار
دیتا تو ظاہر ہے کہ آپ حکم فرما دیتے ۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ قائم مقام دو
گواہوں کے ہے ۔ آپ کے اس فرمان میں اشارہ ہے کہ شرعی حجت جس پر
شریعت کا شعار ہے یہ ہے کہ دو گواہ ہونے چاہئیں ۔ ہاں حدیث کے لفظ
شَاهِدَانِ کا معنی یا تو دو دلیلیں ہیں یا دو شخص یا جو ان دو کے قائم مقام
ہوں اور دو عورتیں قائم مقام ایک مرد کے ہیں ۔ اور اس کی وضاحت اس سے
بھی ہوتی ہے کہ اگر مدعی دلیل پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ کی قسم ہوگی جو مثل
دوسری شہادت کے ہوگی تو اُس کے ساتھ دو دلیلیں ہو جائینگی ایک تو برأۃ
دوسرے قسم ۔ اور اگر وہ قسم سے رُک جائے تو جن لوگوں نے اس صورت میں
اُس کے خلاف فیصلہ دیا ہے اُن کا قول ہے کہ یہ رُک جانا انکار کر دینا اور
قسم نہ کھانا یہ خود اقرار ہے جو مدعی کے دعوے کی سچائی کا ثبوت ہے ۔ بات
بھی یہ بہت پختہ ہے جبکہ مدعیٰ علیہ ہی حق کو جانتا ہو مدعی نہ جانتا ہو ۔ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ کیا آپ اس بات پر قسم
کھا سکتے ہیں کہ آپ نے اسے جب بیچا تب اس میں کوئی عیب تھا ۔ جب یہ
قسم سے جھجکے تو آپ نے ان کے خلاف فیصلہ کر دیا ۔ لیکن اکثر لوگوں کا خیال
ہے کہ جب مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کر جائے تو مدعی کے سامنے قسم پیش کی جائیگی
پس اوّلاً تو اس کا انکار دلیل بن جائیگا اور مدعی کی قسم دوسری دلیل بن جائیگی
پس حکم دو دلیلوں پر ہوگا شاہد اور قسم ۔ اور شارع نے جھگڑوں کی چکوتی دو
گواہوں پر کی ہے صرف مدعی کے دعوے پر تو حکم ہو نہیں سکتا جبکہ دوسرا
فریق اقبالی نہ ہو اور وہ قسم بھی کھا رہا ہو ۔ پس دو گواہوں میں سے ایک
دوسرے فریق منکر کی مقاومت میں ہے اُس کا انکار اور اُس کی قسم مثل
ایک گواہ کے ہے اور دوسرا گواہ عادل شخص کی خبر ہے جس کے خلاف کوئی
نہیں پس وہ بھی بلا خلاف ومعارض حجت شرعیہ ہے ۔ روایت میں بھی
ایک کی خبر کی قبولیت جبکہ اُس کا معارض نہ ہو ہوتی ہے اور وہ اس سے
زیادہ قوی ہے ۔ پس حکم اور روایت میں اعتبار وقیاس ایک ہی ہے ۔ اسی
کی مزید وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ مقصود شہادت سے یہ ہے
کہ جس کی شہادت دی جائے اُس کی صداقت وحقانیت کا علم حاصل ہو
کیونکہ وہ اُسی کی خبر دیتا ہے پس جس کے بارے میں گواہی دی جائے وہ خواہ
کوئی بھی چیز ہو یعنی مال ہو یا طلاق ہو یا آزادگی ہو یا وصیت ہو ۔ جو اس
میں سچا مانا جائیگا وہ اُس میں بھی سچا سمجھا جائیگا پس جبکہ مال کے بارے میں
ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت معتبر مانی گئی تو کوئی وجہ نہیں کہ اور
معاملات میں ان کی شہادت غیر معتبر سمجھی جائے ۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین
نے دو عورتوں کے گواہ رکھنے میں جو مصلحت تھی وہ بھی بیان فرما دی ہے
کہ ممکن ہے ایک عورت بھول جائے یا بہک جائے تو دوسری عورت اُسے
یاد دلا دے ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جیسے مال کے بارے میں اس کی بھول چوک کے
دوسری اُسے ہوشیار کر سکتی ہے ۔ اسی طرح رجعت طلاق اور وصیت کے بارے
میں بھی آگاہ کر سکتی ہے ۔ اور حکمت اس میں یہ ہے کہ عورتوں کا حافظہ بھی
بہ نسبت مرد کے آدھا مانا گیا ہے پس عقل وحفظ کے اعتبار سے دو عورتیں
مثل ایک مرد کے کر دی گئی ہیں ۔ اسی لئے میراث کے معاملے میں دیت
کے معاملے میں عقیقے کے معاملے میں اور آزاد کئے جانے کے ثواب کے معاملے
میں بھی یہ مرد سے آدھے درجے پر رکھی گئی ہیں ۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو

اور قیدی کا غلامی سے بچنے کے لئے یہ دعویٰ کرنا کہ میں قید ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا اور خطا سے اور دانستہ کا وہ قتل جس میں قصاص نہ ہو اور نکاح اور طلاق کے بعد کا رجوع ان سب مسائل میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہو گی یا نہیں؟ یا دو مرد کے سوا گواہی کافی ہو ہی نہیں سکتی اس میں البتہ اختلاف ہے دونوں قول ہیں اور حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے دونوں روایتیں ہیں۔ پس پہلا قول یعنے کافی ہو جائیگا تو امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور دوسرا قول یعنے کافی نہ ہونے کا امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ دو مردوں کی شہادت بغیر کام نہیں چلنے کا وہ تو یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر مال کے بارے میں ہے رجعت وصیت وغیرہ کے بارے میں نہیں۔ دوسری جانب سے اُنہیں جواب ملتا ہے کہ آزادگی گردن میں ایمان کی شرط کا بیان صرف کفارۂ قتل میں ہے۔ اُس میں ساٹھ مسکینوں کے کھلانے کا ذکر نہیں۔ لیکن تم کہتے ہو کہ ہم مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں یا تو بیان کی رُو سے یا قیاس کی رُو سے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ نے تو یہی فرمایا ہے کہ اپنے میں سے ذَو عادل گواہ کر لو۔ دوسری آیت میں ہے دو عدل والے تم میں سے یا دو دوسرے تمہارے سوا اوروں میں سے۔ بخلاف آیتِ قرض کے کہ اُس میں فرمایا ہے اپنے مردوں میں سے دو گواہ مقرر کر لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسی جن کی گواہی تمہارے نزدیک معتبر ہو۔ اور دوسری دونوں جگہوں میں چونکہ دو مرد نہیں فرمایا اس لئے یہ بھی نہیں فرمایا کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ پس اگر کہا جاوے کہ لفظ مذکر ہے یہ عورتوں کو شامل نہیں تو جواب دیا جائیگا کہ عرفِ شارع میں یہ چیز تو مقرر ہے کہ مذکر کے صیغوں سے جو احکام مذکور ہیں جبکہ مطلق ہوں اور مؤنث کیساتھ ملے ہوئے نہ ہوں تو یہ مرد و عورت دونوں کو شامل ہونگے اور یہ قاعدہ ہے کہ دونوں کے اجتماع کے وقت غلبہ مذکر کو دیا جاتا ہے جیسے یہ آیت فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ۔ اور جیسے یہ آیت وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا اور جیسے یہ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ وغیرہ وغیرہ۔ پس اس بنا پر اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ شامل ہے مرد و عورت دونوں کو۔ لیکن یہ بھی شریعت کا مقررہ فیصلہ ہے کہ عورت کی شہادت مرد سے آدھی ہوتی ہے پس دو عورتیں مثل ایک مرد کے ہیں بلکہ یہ اولیٰ ہے کیونکہ طلاق کے بعد کے رجوع کے وقت عورتوں کی موجودگی بہ نسبت وثیقوں کی لکھائی کے وقت کی اُن کی موجودگی کے زیادہ آسان ہے اور اسی طرح انکی موجودگی موت کے وقت کی وصیت کے وقت پس جبکہ شارع نے قرض کے وثیقے کی لکھائی میں جسے مرد لکھتے ہیں عورتوں کو گواہ رکھنا جائز کر دیا حالانکہ عموماً یہ وثیقے مردوں کے مجمع میں لکھے جاتے ہیں۔ پس انکی گواہی ایسے امور پر جہاں اکثر یہی ہوتی ہیں کیوں اسی طرح معتبر نہ مانی جائے؟ مثلاً وصیّت و رجعت۔ اسی کی وضاحت اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ وصیّت میں دو غیر مسلموں کی شہادت بوقتِ حاجت جب مشروع ہے تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بطریقِ اولیٰ قبول ہونی چاہئے۔ بخلاف قرض کے کہ یہاں دو غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا جب کہ مسلمانوں کا لین دین آپس میں ہو اور ان کے گواہ انہی میں موجود ہوں۔ اور سفر کی وصیّت تو ایسی چیز ہے جس میں کبھی کبھی سوائے اہلِ ذمہ کے اور ہوتے ہی نہیں۔ اسی طرح بوقتِ موت کبھی کبھی صرف عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح رجعت پر دو عادل گواہ رکھنے کا حکم ہوا۔ اس لئے کہ گواہ رکھنے والے پر ہی رجعت کی گواہی دیجائے گی اور وہ عورت کا خاوند ہے تاکہ وہ اُسے نہ چھپا سکے پس نصابِ شہادت کے کمال کا حکم دیا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناقص نصاب کی شہادت مفید ہی نہ ہو اس لئے کہ حکم کے طریقے حقوق کی حفاظت کے طریقوں سے زیادہ عام ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گری پڑی چیز اٹھا لینے والے کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اس پر دو گواہ رکھے چھپائے نہیں غائب نہ کر دے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر ایک مرد اور دو عورتیں بھی اس کی گواہی دیں تو بالاتفاق مقبول ہے بلکہ اُس کا مالک صرف اوس کا صحیح اور سچا وصف بیان کر دے تو صرف اسی بنا پر بھی اُس پر حکم جاری کر دیا جائیگا۔ مال کی شہادت کی بابت میں اللہ تعالیٰ نے گواہوں کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ وہ ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمہارے نزدیک معتبر ہو۔ وصیّت و رجعت کے بارے میں فرمایا ہے دو عادل گواہ تم

شخص اپنی کسی چیز کے اوصاف بیان کرے جو اس میں ہیں اور اسکے پاس سے یہ چیز کھوئی گئی ہو اور دوسرے کو ملی ہوئی ہو تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اس کو واپس کردے۔ پس اس شخص کا اپنی چیز کے اوصاف کا وضاحت سے بیان کر دینا ہی دو گواہوں کے جیسا ہے اسی سے اس کی سچائی اور اس کے دعوے کی صداقت معلوم ہو جاتی ہے اور یہی بیّنہ ہے۔ بیّنہ وہ چیز ہے جو حق کو ظاہر کردے۔ اور اجمالی طور پر علماء کا اتفاق ہے کہ بوقتِ حاجت ایسی گواہیاں قبول کرلی جاسکتی ہیں جو اور موقعوں پر قبولیت کے قابل نہیں ہوتیں۔ گو انکی تفصیل میں علماء میں اختلاف ہے۔ اس کی دلیل میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بوقتِ سفر بوقتِ حاجت خود قرآنِ کریم نے دو غیر مسلم گواہوں کی گواہی وصیت کے معاملہ میں معتبر مانی ہے۔ یہ تنبیہ ہے اسی جیسی اور اس سے زیادہ ضرورت کے وقت کی ایسی اور اس سے زیادہ حق کو واضح کردینے والی چیز کے قبول کرلینے کی۔ جیسے کہ صرف عورتوں کی گواہی جو نکاح بیاہ کے مجمعوں میں اور حماموں میں اور ان جگہوں میں جہاں صرف عورتیں ہی ہوتی ہیں قبول کی جاتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ صرف ان عورتوں کی ایسی گواہیاں سفر کی وصیت کے کافر گواہوں کی گواہی سے زیادہ وزن دار ہیں۔ اسی طرح صحابہؓ کا عمل اور مدینے کے فقہا کا عمل یہ بھی رہا ہے کہ بچوں کی گواہی انہوں نے ان میں سے آپس میں کسی نے کسی کو زخمی کر دیا ہو اس بارے میں معتبر مانی ہے کیونکہ عموماً ان کے کھیل کود میں بڑے آدمی شریک نہیں ہوتے۔ پس اگر اصولی طور پر ان بچوں کی اور ان عورتوں کی شہادت بالکل ہی نہ مانی جائے تو ظاہر ہے کہ بہت سے حقوق تلف ہونے لگینگے۔ باوجودیکہ آپکے سامنے وہ چیز ہوگی جس سے آپ اصلی معاملے تک پہنچ جائیں۔ اور سچا واقعہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔ بالخصوص ایسے وقت جبکہ وہ اس مجمع سے الگ ہٹنے سے اور اپنے گھروں میں جانے سے پہلے ہی آجائیں اور ایک جیسی سب کہیں حالانکہ اس سے الگ الگ وقت میں پوچھا گیا ہے اور اس سے الگ باوجود اس کے سب کی ایک ہی بات رہی ہے تو اس وقت ان کی گواہی کی سچائی قطعاً دو مردوں کی گواہی کی سچائی سے بھی زیادہ دل میں بیٹھے گی۔ پس ایسے موقعہ پر بیّنہ سے دو مرد گواہ ہی سمجھ کر ان کی ایسی صاف اور قوی گواہی کو ٹال دینا نرا ظلم ہے۔ ناممکن ہے کہ وہ شرع جو بندوں کی مصلحتوں سے پر ہے اور جو ظلم کی رگیں کاٹنے کیلئے خدائے عادل کیطرف سے آئی ہے وہ اس کا اعتبار ہی نہ کرے اور اسے مہمل چھوڑ کر بندوں کے حق ضائع کردے باوجودیکہ اس سے کم درجے کی قوت والی گواہی کو وہ معتبر مانتی ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ زانی مرد و عورت یہودی کے زنا پر جب چار یہودی گواہ گذر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیدیا۔ ایک عورت کی گواہی پر آپ کا فیصلہ کر دینا اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ جو دلیل ہے لونڈی غلام کی شہادت کی قبولیت پر۔ بلکہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے تو غلام کی شہادت کی قبولیت پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے علم میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جس نے غلام کی شہادت مردود کردی ہو۔ واقعہ یہی ہے اور یہی ٹھیک بات بھی ہے جب اس کی شہادت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قبول کی جاتی ہے اس حکم میں جو شریعت میں تمام امت پر لازم ہو جاتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ امت کے ایک شخص کے بارے میں کسی خاص امر میں اس کی شہادت رد کردی جائے۔ اور جبکہ اس کی شہادت اللہ رسولؐ کے ان احکام پر مقبول ہے جو شرمگاہوں اور خون اور مال کے بارے میں ہیں تو کسی ایک شخص کے بارے میں اسکی گواہی بطورِ اولیٰ قابلِ قبول ہونی چاہئے۔ آیتِ قرآن کے لفظ مِنْكُمْ پر غور کیجئے۔ کیا وہ مسلمانوں میں نہیں؟ کیا غلام کا اسلام قبول نہیں؟ پھر جبکہ وہ عادل ہو جیسی کہ آیت میں قید ہے تو قطعاً وہ قابلِ قبول ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اس علمِ دین کو بعد میں آنے والے عادل لوگ لینگے یہ صاف دلیل ہے کہ راویانِ حدیث عادل لوگ ہیں اور غلام ان میں داخل ہے۔ پھر یہ کہ وہ ہمارے مردوں میں ہے اور قرآن میں مِنْ رِّجَالِكُمْ فرمایا ہے پس وہ بھی قطعاً مسلمان ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان میں داخل ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کی گواہی میں عادل مانے جائینگے۔ پس جب وہ سچا ہے اس کی خبر پر عمل واجب ہے اس کی شہادت قبول ہے سچے شخص کی خبر مردود کر دینا خلاف شرع ہے بلکہ وہ قابلِ عمل ہے وہ فاسق نہیں کہ اس کی خبر کے ثبوت لینے کی ضرورت باقی رہے۔ پس یہ سب خدائے تعالیٰ کی خاص عنایت ہے اور اپنے دین کا پورا کرنا ہے اور اپنی بھرپور نعمت کا دینا ہے کہ اللہ کے اور

شخص ایک مسلمان غلام کو آزاد کر دے اُس کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جائیگا۔ اور جو دو عورتوں کو جو مسلمان ہوں آزاد کرائے اُن کے جسم کے ایک ایک حصے کے عوض اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے جسم کے ایک ایک حصے کو دوزخ سے بچا لیگا۔ کوئی شک نہیں کہ شہادت کے معاملے میں دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام رکھنے کا حکم شہادت کے وقت کا ہے لیکن جب عورت حفظ و عقل میں کامل ہو اور پوری دیندار بھی ہو تو صرف ایک ہی کی شہادت سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے جیسے کہ محض دینی امور میں اُس ایک ہی کی گواہی معتبر ہے۔ اسی بنا پر بہت سے مواقع میں صرف اکیلی ایک عورت کی گواہی شرعاً معتبر مانی گئی ہے۔ اسی لئے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ دو عورتوں اور طالب حق کی قسم پر فیصلہ کر دیا جائیگا امام مالکؒ یہی فرماتے ہیں اور امام احمدؒ کے مذہب کی دو وجہوں میں سے ایک وجہ یہی ہے۔ ہمارے اُستاد قدس اللہ روحہٗ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بھی کہدیا جائے کہ صرف ایک عورت اور مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ کر دیا جائے تو یہ بھی درست ہو سکتا ہے اس لئے کہ شاہد رہنے کے موقعہ پر دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام کی گئی ہیں تاکہ ایک بھول نہ جائے اور ادائیگی شہادت کے وقت کے بارے میں کتاب وسنت میں کہیں یہ نہیں کہ جبتک دو عورتیں نہ ہوں شہادت مانی ہی نہ جائے اور دو عورتیں گواہی میں لی جائیں اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کم ہوں تو اُن کی شہادت پر کوئی فیصلہ ہی نہ کیا جائے۔ دیکھئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرض کے بارے میں دو مردوں کو گواہ رکھنے کا حکم دیا اور اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد دو عورتوں کا۔ باوجود اس کے ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ ہو سکتا ہے اور مدعا علیہ کے انکارِ قسم پر مدعی کی قسم وغیرہ پر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ پس حاکم کے فیصلے کے طریقے صاحب معاملہ کے گواہ مقرر کرنے کے طریقوں سے بہت زیادہ وسعت والے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ عقبہ بن حارثؓ نے سرکار نبوت میں حاضر ہو کر کہا کہ میرا نکاح ایک عورت سے ہو چکا ہے اب ایک سیاہ فام لونڈی آئی ہے جو کہتی ہے کہ مجھے اور میری بیوی کو بچپن میں اُس نے دودھ پلایا ہے اُسی وقت آپ نے حکم دیدیا کہ اپنی بیوی کو الگ کر دے۔ صحابی نے کہا حضورؐ وہ حبشن جھوٹی ہے آپ نے فرمایا اُسے چھوڑ دو۔ میں غور کیجئے کہ صرف ایک ہی عورت کی شہادت ہے اور وہ بھی لونڈی ہے اور شہادت بھی اُس

فعل کی دیتی ہے جو اُس کا اپنا فعل ہے اور حضورؐ اُسے قبول فرما لیتے ہیں۔ یہی اصل ہے تقسیم کرنے والے اور اندازہ کرنے والے اور وزن اور ناپ کرنے والے کے اپنے فعل کی گواہی کی۔ **فصل** - مَیں نے اس بارے میں لمبی بحث اس لئے کی ہے کہ یہ ایک بڑا اصولی مسئلہ ہے اور اس میں بہت سے لوگوں نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں تو اسے ہر طرح ذہن نشین رکھنا چاہیئے اور پوری طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس چیز کا حکم دیا ہے جس سے حقوق کی پوری طرح حفاظت ہو سکے جب یہ موجود ہو تو صاحب حق کی قسم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پس تحریر اور گواہ اس لئے ہے کہ حق کا انکار نہ ہو سکے وہ فراموش نہ ہو جائے کہ پھر یاد دلانے کی حاجت ہو خواہ وہ بطورِ انکار ہو خواہ بطور بھول کے ہو لیکن اس سے کسی طرح بھی یہ سمجھ لینا ہرگز صحیح نہیں کہ حق کو ظاہر کر دینے والی کسی چیز کو قبول ہی نہ کیا جائے سوائے اُس طریقے کے جو حفظ حق کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

فصل چار گواہ زنا کی گواہی کے لئے مقرر کرنے کی شرعی مصلحت یہ ہے کہ ایسے امور میں پردہ پوشی پہلی چیز ہے پس اس کے خلاف کے لئے سختی کی اور گواہوں میں چار کی تعداد معتبر رکھی کیونکہ یہاں کوئی حق ضائع نہیں ہوتا یہ تو صرف حدّ اور سزا ہے جو محض شبہ کی وجہ سے ہٹائی جا سکتی ہے۔ ہاں خدا کے اور بندوں کے حق کا معاملہ اور ہے کہ اُن کے بارے میں اگر سچے لوگوں کی بات نہ مانی جائے تو وہ حق ضائع ہو جائیں گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی مرد یا عورت کی گواہی حال کے استصحاب سے زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ بہت ہی بودی چیز ہے کبھی تو وہ صرف انکار سے ہٹ جاتی ہے اور کبھی لوٹائی ہوئی قسم سے اور کبھی دو گواہوں سے اور قسم سے اور دلالت حال سے۔ حال کا ساتھ ہونا یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسے کہ شرعی دلیلوں میں عموم اور مفہوم اور قیاس ہے کہ بہت ہی ضعیف دلیل سے بھی اٹھ جاتے ہیں۔ پس اسی طرح احکام میں حال کے ساتھ ہونے کی دلیل ہے کہ ادنیٰ سی چیز سے اُٹھ جاتی ہے۔ اسی لئے دیانت کی خبروں میں ایک ہی شخص کی خبر بھی اس پر مقدم رکھی گئی ہے باوجودیکہ خبر واحد تمام انسانوں پر لازم ہو جائیگی۔ پس جو احکام اس سے بہت کم درجے پر ہیں اُن پر یہ مقدم کیوں نہ ہوگی؟ اسی لئے صحیح مسئلہ جس پر سنت دلیل ہے اور اُس دلیل کے خلاف کچھ نہیں یہ ہے کہ جب کوئی

جواویر کی صورت میں طلاق کے منکر خاوند کے پاس تھے یعنے عصمتِ نکاح
کا باقی رہنا اسکے ساتھ تو صرف اپنے ذمے کا بری ہونا اور یہ ظاہر ہے کہ لین
دین وغیرہ کے اور بھی بہت سے واقعات میں یہ مشغول رہتا ہے پس ایک گواہ
اور قسم سے رُک رہنا یا طالب کی قسم اُس کے اُٹھ جانے پر قوی مان کر
اُس کے حق میں فیصلہ کردیا۔ اس سے ایک طرف تو یہ ظاہر ہوا کہ شارع
کی حکمت کسقدر اعلیٰ ہے۔ دوسری جانب یہ ثابت ہوا کہ شارع کا
فیصلہ اُس دلیل پر ہے جس سے حق نتھر آئے اور بینہ وہ دلیل ہے
جو اُس واقعہ پر دلالت کرے اور شاہد وہ ہے جو اُس کی گواہی دے۔
جسقدر بھی ممکن ہو۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگرچہ ایک گواہ ہی ہو لیکن اُسکی
صداقت بالکل واضح ہو تو بلاشک صرف اُسی ایک کی گواہی پر حکم
جاری کردیا جائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک گواہ کی گواہی
پر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو بغیر اُن کی قسم کے سچا مان کر اُن کے قتل
کئے ہوئے کافر کا مال اسباب انہیں دلوادیا۔ اسی طرح حضرت خزیمہ بن ثابت
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکیلے کی شہادت اعرابی سے اپنی خرید فروخت پر معتبر
مانی بلکہ اُن کی ایک کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر کردیا۔ کیونکہ اُن
کی گواہی آپ کی رسالت کی صداقت پر شامل تھی کہ آپ جو فرماتے
ہیں سچ ہے۔ جب مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی رسالت
کے دعوے میں سچا مان چکے ہیں تو وہ کسی شخصی معاملے میں آپ کو
سچا کیوں نہ مانیں؟ پس اسی سے بعض ائمہ نے یہ حکم نکالا ہے کہ جب
ایک ہی گواہ ہو اور اُس کی سچائی میں کوئی شک نہ ہو تو صرف اُسی ایک
گواہی پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ **فصل**۔ شریعت میں قسم اُس کی طرف
ہے جو اپنے دعوے میں قوی ہو دونوں فریق میں جس کی جانب ترجیح
والی ہوگی قسم اُسی کی طرف ہوگی۔ جمہور علماء کا یہی خیال ہے اہلِ
مدینہ فقہاء حدیث جیسے امام احمدؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ وغیرہ۔ اہلِ
عراق کے نزدیک قسم صرف مدعیٰ علیہ پر ہے وہ اُسی کی جانب سے
قسم کو معتبر مانتے ہیں امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے ساتھی بھی کہتے ہیں لیکن
جمہور یہ دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے گواہ اور قسم پر فیصلہ
کیا ہے۔ قسامت کے بارے میں آپ نے مدعیوں کو قسم کھانے کو
فرمایا تھا۔ جب اُنہوں نے انکار کیا تب آپ نے مدعیٰ علیہم کے سامنے

قسمیں پیش کیں۔ لعان کے بارے میں آپ نے پہلے خاوند کی طرف
کی قسم بتلائی اور اُس کے بعد جب عورت اُس کے مقابلے میں قسموں
سے جھجکے تو اُس پر عذاب حد جاری کرنے کا حکم دیدیا۔ جس سزا
کے بارے میں قرآن نے مومنوں کی جماعت کی موجودگی کا حکم فرمایا
ہے۔ پس مدعی کی جانب جب ایک گواہ کی وجہ سے بھاری ہوگئی ہے
تو قسم اسی کی طرف کردی گئی۔ اسی طرح مقتول کے ولی وارث
کی طرف چونکہ بھاری ہے قسمیں انہی کی جانب متوجہ کی گئیں اور
قسموں کی تعداد اس لئے بڑھادی گئی کہ معاملہ خطرناک اور اہم ہے۔
اسی طرح لعان کے بارے میں خاوند کا پلہ بھاری رکھا گیا کیونکہ وہ اپنی
زندگی کے ساتھ کی بیوی کو الگ کررہا ہے اور مجمع کے سامنے اوسے
بدکاری کا الزام لگا رہا ہے اور دنیا آخرت کے عذاب کے لئے بصورت
دروغ اپنے تئیں پیش کررہا ہے اور اپنے تئیں اور اپنے کنبے قبیلے
کے تئیں دنیا کی رسوائی میں ڈال رہا ہے یہ وہ چیزیں ہیں جن سے
عقلمند لوگ بھاگتے ہیں اور اُنہیں اس سے علاوہ نفرت کے تکلیف
ہوتی ہے پس خاوند کا ان سب خطروں کا مقابلہ کرنے کے لئے تُل جانا
یہ قرینہ ہے کہ اُس نے کوئی ایسی بات ضرور دیکھی ہے جو ناقابلِ برداشت
ہے اور اسے اُس کا کامل یقین ہے پس شریعت نے اس کی جانب کو
ترجیح دی اور قسم اسی کی طرف کی۔ اسی لئے قسامہ میں اور لعان میں
اہل مدینہ کے نزدیک قتل ہے ہاں عراقی فقہاء کے نزدیک قتل نہیں،
امام احمد کے نزدیک قسامہ میں قتل ہے لعان میں نہیں۔ امام شافعی
کے نزدیک لعان میں قتل ہے قسامہ میں نہیں ہے۔ لیکن یہ یاد
رہے کہ ان تمام بحثوں میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس حدیث کا معارضہ
کرسکے جس میں ہے کہ اگر لوگوں کو صرف اُن کے دعوے سے ہی دلوادیا
جائے تو ہر ایک دوسرے کے خون و مال کا دعویٰ کردیگا لیکن
قسم مدعیٰ علیہ کے ذمے ہے۔ پس یہ حکم اُس وقت ہے جب مدعی
کے پاس سوا دعوے کے اور کچھ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ صرف دعوے سے
ہی ڈگری نہیں ملے گی لیکن جبکہ اُس نے گواہ کی وجہ سے یا لوٹ
کی بنا پر یا کسی اور طرح اپنا پلہ بھاری کرلیا تو اب اسے ڈگری دینے
میں صرف اُس کے دعوے پر ڈگری نہیں ہوئی بلکہ مجموعی طور پر گواہ

اُس کے بندوں کے حق کسی طرح ضائع نہ ہوں سچوں کی شہادت سے معاملہ نِتھر جائے ہاں یہ اور بات ہے کہ بہتر اور اعلیٰ طریقے سے جب کسی حق کی حفاظت ہو جائے تو وہ بہت اولیٰ ہے جیسے کہ لکھ لینے کا حکم۔ گواہ مقرر کر لینے کا حکم۔ اس میں حق کی کامل اور بہترین حفاظت ہے۔ اگر کہا جائے کہ مال کا معاملہ سہل ہے اس میں انکار پر اور لوٹائی ہوئی قسم پر اور گواہ اور قسم پر حکم لگا دیا جائیگا مگر رجعت اور طلاق کا معاملہ اور ہے۔ تو جواب دیا جائیگا کہ یہی چیز تو زیر بحث ہے تو اس پر دلیل قرآن حدیث کے الفاظ یا اجماع ہوگا۔ پھر تم نے جو قسم اور گواہ کو مان کر کہا ہے کہ یہ مال میں ہے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے یہ حدیث ان لفظوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ یہ فیصلہ مال کے بارے میں تھا۔ یہ تو عمرو بن دینار کا اپنا قول ہے اور اگر اسی کو مرفوع مان لیا جائے تو اس میں بھی مال ہی کے ساتھ خصوصیت کہاں ہے؟ یہ تو نہیں کہ صرف مال کے بارے میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرع مقرر کی ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور فیصلے بھی تو آخر کسی نہ کسی خاص واقعہ کے بارے میں ہی ہیں لیکن وہ اُسی واقعے کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ پس مال کے بارے کے آپ کے فیصلے بھی صرف مال ہی تک محدود ہو کر کیسے رہ جائیں گے؟ آپ خیال کر لیجئے کہ قرض کے بارے میں جو فیصلہ آپ کا ہے وہ یہ دلالت نہیں کرتا کہ اعیان اسی طرح نہیں بلکہ ضرورت ہے کہ اصلی وجہ حکم کو کُرید کر کے نکالی جائے۔ اب جس جگہ یہ وجہ پائی جائے وہیں یہ حکم بھی جاری کر دیا جائیگا ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب عورت اپنی طلاق پر ایک گواہ پیش کر دے تو اگر مرد طلاق کا انکاری ہے اور وہ اس پر قسم کھا جائے تو طلاق ہو جانے کا فیصلہ نہ دیا جائیگا۔ اور اگر وہ قسم نہ کھائے تو عورت کو قسم دی جائے، اگر وہ قسم کھالے تو طلاق مان لیجائیگی۔ یہ حدیث حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت کے صحیفے میں ہے۔ ائمہ اربعہ نے اور کل فقہائے اس صحیفے سے حجت حاصل کی ہے اور اسے معتبر مانا ہے۔ سب نے اسکی طرف توجہ کی ہے اور اس سے دلیل لی ہے فتوے دینے والے تمام امام تو اس کے محتاج ہیں۔ ہاں جنہیں اس منصب سے کوئی تعلق نہیں رہا اُنہوں نے اس میں طعنہ زنی کی ہے جیسے امام ابو حاتم بُستی اور امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ پس اس فیصلے پر دوبارہ نظر دوڑائی جائے۔ کہ ایک گواہ ہے اور دوسرے گواہ کی جگہ خاوند کا انکار اور عورت کی قسم ہے۔ ہاں جب اُس گواہ کے مقابلے پر خاوند کی قسم ہو کہ اُس نے طلاق نہیں دی تو گواہ کی گواہی پر اسے ترجیح ہو جائیگی کیونکہ اصلیت اس کے ساتھ ہے۔ لیکن جبکہ وہ قسم سے انکار کر دے تو پھر عورت کی قسم دوسرے گواہ کے قائم مقام ہو جائیگی۔ یہ یاد رہے کہ صرف ایک گواہ اور صرف عورت کی قسم پر بھی بغیر مرد کو پوچھے فیصلہ نہ کرنے کا باعث یہی ہے کہ مرد اپنا حال آپ جانتا ہے اُسے یقیناً معلوم ہے کہ اُس نے طلاق دی یا نہیں جو اس سے ہوا ہے وہ اسے خوب یاد ہے ہاں جب یہ باوجود انکارِ طلاق کے قسم کھانے سے رُک گیا تو اب ایک گواہ اور عورت کی قسم عورت کی سچائی پر یقین دلائیں گے اور یہی فیصلہ ہوگا کہ طلاق ہوگئی۔ کہا گیا ہے کہ واقعی شریعت کی حکمت وجلالت اس حکم سے صاف معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ خاوند کو طلاق ہونے نہ ہونے کا پورا علم ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اس نے الفاظ کیا کہے اُسکی نیت کیا تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کے کسی ایسے ہی مشتبہ لفظ سے گواہ طلاق سمجھ گیا ہو اور اب وہ اپنی سمجھ کے مطابق گواہی دے رہا ہو اور فی الواقع خاوند نے طلاق نہ دی ہو۔ پس شارع نے اس صورت میں خاوند کی قسم کو ایک گواہ کی گواہی کے مقابلے میں رکھا اور چونکہ نکاح کا ہونا اور اُس کا باقی رہنا ہی اصل ہے اس لئے اس صورت میں خاوند کی جانب کو ترجیح دی۔ ہاں اگر خاوند باوجود انکارِ طلاق کے قسم نہیں کھاتا تو شاہد کی صداقت کی جانب کا پلّہ وزنی ہو جاتا ہے اور خاوند کے انکار کا پلّہ ہلکا ہو جاتا ہے پھر اسی کے ساتھ عورت کی قسم مل کر عورت کی جانب کا پلّہ بہت ہی جھک جاتا ہے پس شریعت اُس کا اعتبار کر لیتی ہے سبحان اللہ کتنا پاک فیصلہ اور کیسی حکمت کا حکم ہے۔ لیکن مال کی گواہی کے وقت حیثیت بالکل بدل جاتی ہے جب ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ میں نے فلاں شخص کو اتنی رقم قرض دی یا فلاں چیز کو بیچا یا استعار دیا یا فلاں شخص نے میری فلاں چیز غصب کر لی وغیرہ تو اب یہاں نہ تو اُس کی جان پہچان مطلوب ہوتی ہے نہ اُس کی نیت و قصد کا کوئی خاص خیال ہے اور مدعیٰ علیہ کے ساتھ اس صورت میں اپنی سچائی کے وہ ثبوت نہیں

درجے کی چیز ہے۔ دیکھئے خلفا۔ صحابہ نے ایسے دور از کار شبہات کی طرف التفات تک نہیں کیا۔ ورنہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاہد کو غلطی لگی ہو اُسے وہم ہو گیا ہو اُس نے جھوٹ بولا ہو۔ حالانکہ یہ توہمات اور توہمات سے بہت بڑے ہیں۔ پس اگر ایسے احتمالات سے حد ہٹا دی جائے تو یہ احتمالات تو دونوں گواہوں کی گواہی میں بھی ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکباز گروہ صحابہ نے اپنی سمجھ بوجھ سے شریعت کی مصلحت کو اور مخلوق کے نظام کو سامنے رکھ کر ایسی باتوں کی طرف توجہ تک نہیں کی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان احتمالات کا کوئی پایہ ہی نہیں۔ ساتھ ہی صحابہ کی عظیم الشان سمجھداری اور اُنکی دینی فراست اور اُنکا شریعت کے احکام کی تہ تک پہنچ جانا اور بندوں کی مصلحت کو ذہن نشین کر لینا بھی معلوم ہوتا ہے اور ہم بآسانی اُن میں اور اُن کے بعد والوں میں مرتبہ اور درجہ قائم کر سکتے ہیں حق تو یہ ہے کہ جیسے صحابی اور غیر صحابی کی ذاتی بزرگی میں تفاوت ہے ویسے ہی ان کے فہم و فقہ عقل و علم میں تفاوت ہے۔ پس یہ ماننا پڑیگا کہ شارع صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ نے عادل شخص کی شہادت کو کسی موقعہ پر بھی رد نہیں کیا۔ بلکہ اُس کی شہادت کی عزت کی۔ جیسے کہ ابوقتادہ کے ایک مشرک کو قتل کر دینے کی شہادت ایک شخص کی مان لی۔ خزیمہ رض کی تنہا شہادت قبول فرمائی۔ رمضان کے چاند کی گواہی صرف ایک اعرابی کی معتبر مانی۔ حبشن لونڈی کی تنہا شہادت پر رضاعت کے ثابت ہو جانے کا فیصلہ فرما دیا۔ اور اکیلے تمیم کی خبر بھی معتبر مان لی جس نے ایک محسوس امر کی گواہی دی تھی جہاں وہ موجود تھا اور جسے اُس نے دیکھا تھا۔ پس اس میں اور شہادت میں کوئی فرق نہیں دونوں کا مستند حسی اور مشاہدہ ہے۔ تمیم نے اپنے دیکھے ہوئے اور مشاہدہ کئے ہوئے امر کی خبر جو عام چیز تھی حضور کو دی پس کوئی فرق نہیں اس کی گواہی خواہ مدعی کے متعلق ہو خواہ مدعا علیہ کے متعلق خواہ کسی عام تعلق کے متعلق۔ کیا تمام مسلمانوں کا اجماع ایک مؤذن کی اذان کے قبول کرنے پر نہیں؟ کہ وہ خبر دیتا ہے کہ فلاں نماز کا وقت آگیا اور مسلمان اُسے سچا مانتے ہیں۔ اسی طرح ایک مفتی کا فتویٰ مسلمان معتبر مانتے ہیں حالانکہ دراصل وہ بھی ایک خبر دینے والا ہے کہ شرعی حکم یہ ہے اور اُس کا فتویٰ پوچھنے والے پر اور دوسروں پر سب پر جاری ہے۔ الغرض اس مسئلے کا نکتہ یہ ہے کہ حفظ حقوق کے لئے گواہ مقرر کرنے کے وقت کئی گواہوں کا حکم ہونا۔ فیصلے اور ثبوت حق میں کئی گواہوں کی موجودگی کے حکم کو مستلزم نہیں۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے کہ سچی خبر کو ہماری سچی شریعت کسی وقت بھی رد کر دے۔ بلکہ حق کے جھٹلا دینے والوں کی کتاب اللہ نے بہت مذمت کی ہے اور سچی خبر کو رد کر دینا بھی حق کو جھٹلا دینا ہے۔ اسی طرح ظاہری دلالت بھی بغیر ایسی ہی ظاہری یا اس سے بھی بڑھی چڑھی دلالت کے جو اُسکے مقابلے میں ہو رد نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو فاسق کی خبر کی تردید کا بھی بغیر ثبوت اور دلیل کے حکم نہیں دیا۔ اگر دلیل اور ثبوت نے اُس کی خبر سچ کر دکھائی تو بے شک وہ قابل قبول ہے اور اگر دلیل اس کے خلاف ظاہر ہوئی تو وہ قابل رد ہے اور اگر دونوں قسم کی کوئی دلیل نہ ملی تو یہ نہ جھٹلائی جائیگی نہ سچائی جائیگی۔ اور سنئے خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کافر کی خبر معتبر مانی جسے آپ سچا اور امانت دار سمجھتے تھے اور اُسی کی رہنمائی میں مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی وہی آپ کو راہ دکھاتا جاتا تھا۔ پس مسلمان پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ہر حال میں فرض ہے اُسے حق کو قبول کر لینا چاہیئے اُس کا لانے والا خواہ کوئی دوست ہو یا دشمن ہو اپنا ہو یا غیر ہو نیک ہو یا بد ہو۔ اور باطل کو ہرگز قبول نہ کرنا چاہیئے اُس کا کہنے والا خواہ کوئی بھی ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں ہر روز فرمایا کرتے اور بے بھولے یہ ضرور فرما دیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ حاکم عادل ہے شک شبہ میں پڑنے والے ہلاک ہو گئے تمہارے پیچھے فتنے چلے آرہے ہیں مال بڑھ جائیگا قرآن کھل جائیگا مومن منافق عورتیں بچے سیاہ سرخ سب پڑھنے لگینگے قریب ہے کہ کوئی کہدے کہ میں نے قرآن تو پڑھ لیا لیکن جب تک کوئی نئی بات ایجاد نہ کروں کون میری طرف رُخ کریگا؟ پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ نئی نکلی ہوئی باتوں سے بچو ہر بدعت گمراہی ہے۔ دانا لوگوں کی لغزش سے بچو ان کی زبان سے کبھی کبھی شیطان بولنے لگتا ہے اور ضلالت کے کلمے نکال دیتا ہے اور کبھی منافق کی زبان سے بھی حق کا کلمہ نکل جاتا ہے۔ پس تم حق کو قبول کر لو اُس کا

سے یا قسم سے یا کسی اور قسم کے ثبوت سے اُسے ڈگری ملی ہے۔ ہمارے اس دعوے کی اصل پر زبردست دلیل حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا فیصلہ ہے جو آپ نے اُن دو عورتوں کے بارے میں فرمایا جو ایک بچے کی نسبت دعوے دار تھیں ہر ایک کہتی تھی کہ یہ میرا لڑکا ہے تو آپ نے فرمایا کہ چھری لاؤ میں اس کے دو ٹکڑے کرکے تم دونوں کو تقسیم کردیتا ہوں اس پر ایک تو خاموش رہتی ہے لیکن دوسری واویلا مچا دیتی ہے کہ اے نبی اللہ میں اقرار کرتی ہوں کہ یہ لڑکا اسی دوسری کا ہے آپ اسے ہی دیدیجئے۔ صرف اُس کی اس حالت اور اُس کی اس شفقت سے آپ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بچہ اسی عورت کا ہے پھر نہ تو آپ اُس کے اقرار کی طرف نظر ڈالتے ہیں نہ کسی اور بات کی طرف بلکہ لڑکا اُس کے سپرد کردیتے ہیں۔ اس حدیث پر ائمہ حدیث نے باب باندھا ہے کہ حاکم کے لئے وسعت ہے کہ وہ معاملے کی اصلیت کی تحقیق کرنے کے لئے وہ کہے جو دراصل اُسے نہ کرنا ہو۔ اور بزرگوں نے اسی حدیث پر باب باندھا ہے کہ حاکم مقدمہ لانے والوں کے اقرار کرنے پر بھی نظر نہ ڈالے اور کسی کے اقرار کو نامعتبر مان کر اُس پر فیصلہ کرے جو حق اُس کے سامنے کھل گیا ہو۔ پس آپ غور فرمائیے کہ ہمارے اماموں نے کس قدر دانائی کتنی سمجھ سے احکام سمجھے جو دین کے مطابق ہی نہیں بلکہ عقل و فطرت کے بھی مطابق ہیں دراصل یہی نفع دینے والا علم ہے۔ نہ کہ تخمینی باتیں اور رائے اور گمان وخیال وقیاس وغیرہ۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قسامہ کے موقعہ پر صرف مدعی لوگوں کی قسمیں مان لی جاتی ہیں اور اُن کی قسموں کے بعد مدعیٰ علیہ لوگوں کی قسمیں نہیں لی جاتیں کہ قتل کا الزام اُن پر سے ہٹ جائے۔ اور لعان میں ایسا نہیں ہوتا کہ خاوند کی قسموں پر عورت پر سزا جاری کردی جائے بلکہ پھر عورت کو قسمیں دلائی جاتی ہیں اور اُس کی قسموں پر اُس کی سزا ہٹا دی جاتی ہے۔ تو بتلائیے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ تو جواب دیا جائیگا کہ یہ تو شریعت کا کمال ہے اور اُس کی اعلیٰ خوبی ہے اور اُس کا پورا عدل ہے سنئے قسامت میں جس پر قسم کھائی جاتی ہے وہ ایک انسانی حق ہے اور اُس سے انسانی خون کا حقدار ہو جاتا ہے اور قسمیں اس میں بہت سی رکھی گئی ہیں۔ جس سے ثبوت پورا ہو جاتا ہے لوٹ کے ساتھ اب اس دلیل کے قائم ہو جانے کے بعد مدعیٰ علیہ کی قسموں کیطرف التفات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور لعان میں جس چیز پر قسم کھائی جاتی ہے وہ اللہ کا حق ہے یعنے زناکاری کی حد اور اس پر چار گواہوں نے گواہی نہیں دی صرف خاوند کی زبردست کئی ایک تاکیدی قسمیں ہیں کہ اُس نے اس کا بستر خراب کیا اور اس کا گواہ بجز اس کی اپنی ذات کے اور کوئی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کی شہادت کوئی قوی امر نہیں پس عورت کو حق دیا گیا کہ وہ بھی اگر اپنے تئیں سچی سمجھتی ہو تو اُسی کے مقابلے کی قسمیں کھائے اگر اس نے قسمیں نہ کھائیں تو ایک تو اس کا انکار اور دوسرے اُس کے خاوند کی تاکیدی اور لعنت کی قبولیت کی قسمیں دونوں نے مل کر اُس کی بات کو سچ کردی اور اس کے مقابلے میں کوئی دوسری چیز نہیں۔ اس میں چار قسمیں رکھی گئیں کہ وہ چار گواہوں کے قائم مقام ہوسکیں اور پانچویں مرتبہ اس کے جھوٹا ہونے کی صورت میں اس نے خود اپنے لئے لعنت کی بددعا کی۔ پس قسامہ میں تو لوٹ کو یعنے ظاہری علامت کو جو بتلاتی ہے کہ مدعیٰ علیہم نے ہی مقتول کو قتل کیا ہے پورا ایک گواہ سمجھا گیا اور دعوے داروں کی پچاس قسموں کو دوسرا گواہ کیا گیا۔ اور لعان میں خاوند کی قسموں کو ایک شاہد اور عورت کے انکار کو دوسرا شاہد بنا دیا گیا۔ الغرض ہمارا مقصود اس تمام بحث سے صرف یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے حفظ حقوق کا دارمدار صرف دو مرد گواہوں پر نہیں رکھا نہ خون کے کیس میں نہ مال کے مقدمے میں نہ عصمت کے معاملے میں نہ حد کے بارے میں۔ بلکہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے حمل کی وجہ سے حد زنا جاری کی۔ اور صرف بو پاکر شراب کی حد لگائی۔ اسی طرح شراب کی قے کرنے پر بھی شراب کی حد جاری کی پس ہم کہتے ہیں کہ جب چور کے قبضے سے چوری کا مال جوں کا توں برآمد ہو جائے تو اُسے حد کیوں نہ لگائی جائے جبکہ حمل سے زناکاری کی اور بو اور قے سے شراب خواری کی حد لگائی جاتی ہے۔ اور جو باتیں بطور احتمال کے چوری کے مال میں کہی جاسکتی ہیں وہ سب حمل اور بو کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہیں بلکہ وہاں زیادہ ظاہر ہیں سنئے حمل میں ہوسکتا ہے کہ عورت پر جبر و اکراہ کیا گیا ہو یا شبہ کی وطی سے حمل ٹھیر گیا ہو۔ اور شراب کی بدبو مال مسروقہ کی برآمد سے بہت ہلکے

مال کا والی نہ بنانا مصلحت جنگی اور قابلیت جنگ ہی کو مدنظر رکھ کر آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ ذات السلاسل میں امیر بنایا کیونکہ بنو عذرہ ان کی ننھیال کے آدمی تھے اُن میں ان کی جتنی چلتی کسی اور کی نہ چلتی۔ پھر یہ خوب سیاست داں تھے بہادر و شجاع تھے۔ فنونِ جنگ سے پورے واقف کار تھے نیز فہیم اور دور اندیش تھے یہانتک کہ عرب میں فہم و فراست اور عقل میں صرف چار شخص مشہور تھے جن میں سے ایک یہ تھے۔ پھر آپ نے ان کے پیچھے ہی حضرت ابو عبیدہؓ کو بھیجا اور فرمایا دیکھو تم دونوں ملے جلے رہنا ہرگز آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ نماز کی امامت حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمروؓ کے سپرد کر دی پس آپ دونوں جماعتوں کی امامت کراتے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ بھی تھے۔ اسی طرح جنگی مصلحت کو سامنے رکھ کر آپ نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو امیر لشکر مقرر کیا اس لئے کہ امارت کی اہلیت کے ساتھ ہی ساتھ اُن میں اپنے والد صاحب کے قتل کا بدلہ لینے کا جوش بھی تھا۔ حضرت زیدؓ کو آپ نے حضرت جعفرؓ پر جو آپ کے چچا زاد بھائی تھے مقدم کیا اور انہیں امیر بنایا باوجودیکہ وہ مولیٰ تھے۔ اس لئے کہ وہ حضرت جعفرؓ سے بہت پہلے کے مسلمان تھے لوگوں نے حضرت اُسامہ اور حضرت زید کی امارت پر کچھ زبان بھی کھولی تو آپ نے فرمایا کہ اُسامہ کی امارت پر اعتراض کرنے والے ان کے والد کی امارت پر بھی لب کشائی کر چکے ہیں واللہ وہ امارت کا اہل ثابت ہوا اور سب سے زیادہ میرا پیارا وہی تھا۔ حضرت خالد بن سعید بن عاص اور اُن کے بھائیوں کو اس بنا پر امیر بنا دیا کہ وہ بڑی حیثیت کے اور قریش کے سرداروں میں سے تھے اور اسلام کی طرف ابتداً سبقت کرنے والوں میں تھے۔ آپ کے بعد کسی نے بھی والی نہ بنایا۔ ہمارا مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ آپ اُسی کو تولیت سونپتے تھے جو مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید ہو گو اُن کی ماتحتی میں اُن سے افضل لوگ بھی ہوں۔ اور یہ کہ جب کوئی دلیل حق کو واضح کر دینے والی آپ کے سامنے آجاتی اور اُس کے مقابل اُس سے زیادہ قوی چیز نہ ہوتی تو آپ اُسی پر فیصلہ فرما دیتے پس آپکی یہ مبارک عادت ہر وقت قابل اتباع ہے کہ زیادہ نفع دینے والے شخص کو والی اور حاکم بنایا جائے

اور حق کو واضح اور ظاہر کر دینے والی دلیل پر فیصلے کی بنیاد رکھی جائے ہم نے اس بیان کو قدرے وسعت اس لئے دی ہے کہ اس بیان میں نسبتہً اور بیانات کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اب ہم پھر حضرت عمرؓ کے اس فرمان کی تشریح کی طرف لوٹتے ہیں۔ آپ نے اُس میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں ہر ایک صلح جائز ہے سوائے اُس صلح کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دیتی ہو۔ ترمذی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بھی یہ فرمان مروی ہے۔ اُس میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی تمام شرطیں جوں کی توں رہینگی سوائے اُن شرطوں کے جن سے حرام حلال ہو جاتا ہو یا حلال حرام بن جاتا ہو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو صحیح بتلاتے ہیں۔ جناب باری عزوجل نے بھی مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی فساد مار پیٹ ہو گئی ہو تو اُن میں صلح کرانے کا حکم دیا۔ فرمایا کہ اگر مومنوں کی دو جماعتوں میں قتال ہو جائے تو اُن میں صلح کرا دو۔ میاں بیوی کے جھگڑوں میں بھی صلح کرانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کے بیزار ہو جانے اور اُسکے منہ پھیر لینے کا خیال ہو تو وہ دونوں آپس میں راضی رضامندی کے ساتھ مصالحت کر لیں اس میں کوئی حرج نہیں صلح ہر طرح بہتر ہی ہے۔ اور آیت میں ہے ان کی اکثر سرگوشیاں خیر سے خالی ہوتی ہیں مگر اُن کی سرگوشی جو صدقے کا اور اچھائی کا اور لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دیں۔ بنو عمرو بن عوف میں جب جھگڑا ہو گیا تب آپ نے خود بیچ میں پڑ کر اُن میں صلح کرا دی۔ کعب بن مالک اور ابن ابی حدرد میں جب ابن ابی حدرد کے قرض کے بارے میں قصہ چلا تو بھی آپ نے اُن کے درمیان صلح کرا دی اس طرح پر کہ آدھا تو معاف کرا دیا اور آدھے کی ادائیگی کرا دی۔ دو شخص آپ کے سامنے اپنا جھگڑا لاتے ہیں آپ اُنہیں فرماتے ہیں جاؤ تقسیم کر لو اور جہاں تک ہو سکے مطابق حق تقسیم کرو۔ پھر دونوں حصوں پر قرعہ اندازی کر کے جس کے نام جو حصہ نکلے لے لو پھر ہر ایک دوسرے کو اپنا حق معاف کر دے۔ آپ کا فرمان ہے کہ جس سے اپنے بھائی کی بے عزتی سرزد ہو گئی ہو یا کسی اور طرح اُس پر ظلم ہو گیا ہو وہ اُس سے اس دنیا میں ہی بری ہو جائے اور اپنا دامن صاف کر لے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس دن

کہنے والا خواہ کوئی ہو سنو حق پر نور ہوتا ہے۔ سننے والوں نے دریافت کیا کہ دانا لوگوں کی لغزش سے مراد آپ کی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان لوگوں کا وہ کلمہ جو تمہیں گھبرا دے اور تم اسے برا جانو اور کہنے لگو ہائیں یہ کیا بات کہدی؟ پس تم اُن کی لغزش سے بچ جاؤ ایسا نہ ہو کہ اُس کی عزت کی وجہ سے تم اُس کے اس قول کو بھی مان

ممکن ہے کہ پھر وہ اس سے باز آ جائے اور حق کا طرفدار بن جائے یاد رکھو علم اور ایمان کی جگہ قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حاکم جب کسی دلیل کو حق کی ترجیح میں پائے اور دوسری جانب اُس کے بالمقابل ایسی دلیل نہ ہو تو اُسے دلیل کے مطابق فیصلہ کر دینا چاہیے۔ ہر ایک حاکم پر لازم ہے کہ اوّلا واقعہ کی تحقیق پوری جانفشانی سے کرے پھر اُس پر شرعی حکم جاری کرے پہلی بات صداقت کی ہے دوسری امانت کی۔ خدا کی باتیں صداقت و امانت پر کامل ہیں اللہ علیم وحکیم ہے۔ پس دلیلوں اور گواہوں سے امر واقعہ کھل جاتا ہے اور اوس میں جو حکم شریعت کا ہو وہ بتلا دیا جاتا ہے۔ حکم کی دو قسمیں ہیں ابدا اور انشا۔ ابدا تو خبر و ثبوت دینا ہے مثلاً شہادت وغیرہ۔ اور انشا امر و نہی حلت و حرمت ہے۔ اور حاکم کی تین حیثیتیں ہیں اثبات کی حیثیت سے تو وہ گواہ ہے۔ حکم و منع کی حیثیت سے وہ مفتی ہے اور فیصلے کو جاری کرنے اور اُسے منوا دینے کی حیثیت سے وہ سلطنت والا ہے۔ کم سے کم وہ چیز جو حاکم میں ہونی بیحد ضروری ہے وہ شاہد کی حیثیت سے اس پر تمام علما کا اتفاق ہے اس لئے کہ اُس پر عدل کے ساتھ حکم کرنا واجب ہے۔ تو ضروری ہے کہ وہ خود عادل ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو صرف عدالت ہی معتبر ہے اور امام شافعی اور اصحاب احمد کی ایک جماعت کے نزدیک عدالت کے ساتھ ہی اجتہاد بھی ضروری ہے۔ امام احمد سب سے زیادہ صلاحیت والے کو حاکم بنانا واجب بتلاتے ہیں پس ہر زمانے میں موجودہ لوگوں میں جو سب سے بہتر ہو وہ اس منصب کا اہل ہے پس دیندار عادل۔ اُس عالم پر مقدم ہوگا جو فاجر ہو۔ جہمیہ مذہب کے قاضی گو بڑے ہی فقیہ ہوں لیکن اُن پر سُنّی قاضی اُن سے کم فقہ والے مقدم رکھے جائینگے۔ آپ سے جب متوکل نے قاضیوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ایک تحریر اُس کے وزیر کے ہاتھ بھیجی جس میں بہت سے

لوگوں کو قاضی بنانے کی اور بہت سے لوگوں کو اس عہدے سے معزول کرنے کی ہدایتیں تھیں اور بہت سے لوگوں کے بارے میں آپنے خاموشی اختیار کی تھی پھر جن بعض لوگوں کے نام لئے تھے اُن میں سے بھی بعض کی نسبت جب پوری معلومات حاصل ہو گئیں تو آپ نے فرمایا اگر اسے والی نہ بنائیے تو فلاں کو بنائیے اس کا والی قضا بننا مسلمانوں پر ضرر ہے۔ آپ نے اُس میں حکم لکھا کہ مالی قرض کے بارے میں سنی قاضی مقرر کیا جائے۔ خدا کی صفتوں کو معطل کر دینے والوں میں سے کسی کو اس منصب پر مقرر نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ لوگوں کو نقصان پہنچائینگے۔ آپ سے سوال ہوا کہ ایک سپہ سالار دشمنوں پر چھا جانے والا بہادر ہے لیکن متقی نہیں دوسرا متقی ہے لیکن بہادری میں اس کے برابر نہیں تو لڑائی میں کسے آگے کیا جائے؟ فرمایا میں تو بہادر شخص کے ساتھ ہو کر جنگ کرنا پسند کرتا ہوں کیونکہ اس کام میں مسلمانوں کو اسی سے نفع پہنچ سکتا ہے سنت طریقہ بھی یہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کا والی اُسے بناتے تھے جو مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچا سکے۔ آپ افضلیت کو نہیں دیکھتے تھے۔ دیکھئے بڑے بڑے انصار و مہاجرین کا سپہ سالار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بنایا جبکہ اُنہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ عبدالرحمن بن عوف سالم مولی ابی حذیفہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے وہ بزرگ مہاجر و انصار جو بہ الفاظ قرآن اُن فضیلت والے لوگوں میں تھے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنا جاہ و مال راہ خدا میں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کو سونپ دیا تھا جو اپنے بعد والوں سے یقیناً بہت بڑے درجوں والے تھے۔ حضرت خالد تو صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے یہی عمرو بن عاص کبھی عثمان بن طلحہ حجبی بھی پھر ان سے ایک خطا بھی ہو گئی تھی بنو جذیمہ قبیلے کے بارے میں جس پر آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اپنی برأت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ خدایا میں خالد کی اس حرکت سے بالکل بیزار ہوں لیکن تاہم اُنہیں سپہ سالاری کے عہدے سے معزول نہیں فرمایا۔ سب سے بڑھ کر اور تمام سابقون پر بھی سبقت کرنے والے حضرت ابوذر تھے لیکن باوجود اس کے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تو تجھے ضعیف دیکھتا ہوں اور تیرے لئے وہی چاہتا ہوں جو خود اپنے لئے چاہتا ہوں تو دو شخصوں کا بھی امیر نہ بننا اور یتیم کے

ڈال کر کوئی رعب دکھا کر یا امید کر کے جاہ و ثروت سے کام لے کر بے جا دباؤ ڈال کر مجبور کر کے جبر کر کے نہ ہو۔

فصل - وہ صلح جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے وہ یہ ہے کہ مثلاً اُس سے کوئی حرام عورت حلال ہو جاتی ہو۔ یا کوئی حلال عورت حرام سمجھی جا سکتی ہو۔ یا کوئی آزاد غلام بنالیا جاتا ہو یا کسی کا نسب اِدھر سے اُدھر ہو جاتا ہو یا نسبت آزادی منتقل ہو جاتی ہو یا اُس سے سود خواری ہوتی ہو یا کوئی واجب ہٹ جاتا ہو یا کوئی حد بیکار ہو جاتی ہو یا ثالث کا ظلم ہوتا ہو یا ایسا ہی کوئی اور واہی کام لازم آتا ہو تو یہ صلح ظالم کی صلح ہے۔ اور ہر طرح مردود ہے جائز اور بہتر صلح وہ ہے جس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہو اور پھر دونوں جانبکے فریق کو خوش کر دیا جائے۔ یہ ہے صلح عدل کی اور حق والی جس کا اعتماد علم و عدل پر ہے۔ پس اصلاح کرنے والے کے لئے بھی واقعات کا عالم ہونا واجبات کا جاننے والا ہونا عدل کا قصد کرنے والا ہونا ضروری ہے۔ ایسا شخص صلح کرانے والا روزہ رکھنے اور تہجد پڑھنے والے سے بھی خدا کے نزدیک بڑے درجے کا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کیا میں تمہیں روزے نماز سے بھی زیادہ فضیلت والا کام بتلاؤں؟ لوگوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا آپس کی اصلاح۔ یاد رکھو آپس کا فتنہ فساد مونڈ دینے والا ہے سنو وہ بال نہیں مونڈتا بلکہ دین کا صفایا کر دیتا ہے۔ ایک اثر میں ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اللہ تعالیٰ بھی مسلمانوں کے درمیان قیامت کے دن صلح کرائیگا۔ قرآن فرماتا ہے کہ مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں میں اصلاح و صلح کر دیا کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت نازل فرمائی جا سکے۔

فصل - حضرت عمرؓ کے خط میں ہے کہ جو شخص غائب حق کا یا دلیل کا دعوے کرے تو اُس کے لئے مدت مقرر کر دو کہ اُس کے اندر اندر وہ ثبوت پیش کر دے یہ بھی پورا عدل ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت مدعی کی دلیل اور حجت موجود نہ ہو۔ اگر اُسی وقت فیصلہ کر دیا جائے تو ناممکن ہے کہ حق تک پہنچ سکے پس اگر وہ مدت مانگے تو اُس کی درخواست منظور کر کے اُسے مہلت دینی چاہیئے اور یہ بھی محض غلط ہے کہ یہ مدت تین دن سے زیادہ نہ ہو بلکہ جتنی ضرورت ہو دی جائے ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب اُس کی چالاکی ہے۔ اور اس سے اُس کا مقصود عدالت کو اور مدعیٰ علیہ کو الجھانا ہے تو بیشک قاضی اپنا فیصلہ سنا دے کیونکہ یہ مدت دینا تو عدل کی حفاظت کے لئے تھا۔ اسی سے ہی اگر عدل باطل ہونے کا خوف ہو تو یہ کچھ واجب و فرض تھوڑے ہی ہے۔ حضرت عمرؓ کا اس خط میں یہ لکھنا کہ اگر آج تو ایک فیصلہ دے چکا تھا اور کل اس کے خلاف تیری سمجھ میں آ گیا اور نیکی کی بات اور حق تجھ پر کھل گیا تو یہ خیال کر کے کہ میں کل اس کے خلاف حکم دے چکا ہوں آج یوں کیوں کہوں؟ اُس سے رُک نہ جانا۔ یاد رکھو حق سب سے قدیم ہے اُسے کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ حق کی طرف لوٹ آنا گمراہی پر جمے رہنے سے بہت ہی بہتر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک قصے میں ایک حکم لگا چکے تو اب ایسا ہی قصہ آنے پر اجتہاد ہی نہ کرنا بلکہ اپنا پہلا حکم ہی جاری کر دینا یہ سراسر غلط ہے۔ پھر اجتہاد کرو اجتہاد ایسی چیز نہیں جس میں تغیر اور ردّ و بدل نہ ہوتا ہو۔ اگر اس دوسرے اجتہاد میں حق دوسری صورت میں نظر آئے تو فوراً اپنے پہلے قول سے ہٹ جاؤ۔ پہلی چیز تمہارا وہ اجتہاد نہیں جو اس سے پہلے ہوا تھا بلکہ پہلی چیز دراصل حق ہی ہے اور وہ باطل سے یقیناً مقدم ہے۔ اور جب یہ مان لیا تو پہلا اجتہاد باطل ہے اور دوسرا حق ہے۔ اس لئے یہ دوسرا اجتہاد پہلے اجتہاد سے سابق اور اول ہے۔ اسے پہلے کا اجتہاد جس کی غلطی اب واضح ہو چکی ہے پیچھے نہیں ڈال سکتا حق باطل پر مقدم ہے۔ اس لئے اسکی طرف رجوع کرنا پہلے خیال پر قائم رہنے سے درجہا بہتر ہے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی کر کے بھی دکھایا۔ ایک عورت مرتی ہے اُس کے وارثوں میں اُس کا خاوند ہے اُس کی ماں ہے اور دو سگے بھائی ہیں اور دو بھائی ایک ماں سے ہیں لیکن اُن کا باپ دوسرا ہے آپ ان چاروں بھائیوں کو میراث کے تہائی حصے میں شریک کرتے ہیں۔ تو ایک صاحب فرماتے ہیں کہ امیر المومنین فلاں سال آپ نے ایسے ہی واقعہ میں ان ماں زاد بھائیوں کو میت کے اس ترکے میں اسی صورت میں شریک نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ فیصلہ اُسی وقت تھا آج کا فیصلہ آج کے لئے ہے۔ پس جب آپ پر خود آپ کے اپنے فیصلے کے خلاف حق کھل گیا تو آپ نے بے جھجھک اُس

ہیں دینار و درہم کچھ نہ ہونگے اگر نیکیاں ہونگی تو اس کے ظلم کیمطابق اس سے چھین کر مظلوم کو دیدی جائیں گی یہ بھی نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اُسی مقدار کے اس ظالم پر لاد دئے جائینگے۔ اسی طرح آپ نے یہ بھی جائز رکھا کہ عمداً جس شخص کو مار ڈالا گیا ہو اور اُس کے ولی وارث کسی رقم پر صلح کرلیں تو لے لیں۔ حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ بن حرام انصاری جب شہید ہوگئے تب آپ نے اُن کے قرض خواہوں سے سفارش کی کہ ان کے باغ میں جتنا پھل ہے لے لیویں اور باقی قرض معاف کردیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ میراث کے بارے میں وارث اگر متفق ہوکر آپس کی صلح سے جس طرح چاہیں تقسیم کرلیں تو کوئی حرج نہیں۔ اسے اصطلاح میں مخارجہ کہتے ہیں اسلئے کہ ایک شخص کچھ لے لے اور اپنا حق میراث چھوڑ کر اُس سے الگ ہوجائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی چار بیویوں میں سے ایک نے اپنے حصے کے اسّی ہزار لے کر صلح کرلی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے کہ جھگڑے والوں کو یہ کہہ کر لوٹا دو کہ جاؤ آپس میں مل کر صلح کرلو اس لئے کہ فیصلہ ہونے کے بعد عموماً دلوں میں حسد و بغض پیدا ہوجاتا ہے اور آپس میں مل جانے کے بعد عموماً دل صاف ہوجاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جھگڑا کرنے والوں کو لوٹا دو ممکن ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اس میں سچائی کا پاس زیادہ رہتا ہے اور خیانت کا احتمال کم ہوتا ہے۔ آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جھگڑا کرنے والوں میں جب کوئی رشتہ اور قرابت داری بھی ہو تو ضرور اُنہیں آپس میں ہی فیصلہ کرنے کے لئے موقعہ دو۔ اور خود جہانتک ہوسکے ان کے جھگڑے میں نہ پڑو۔ ورنہ ممکن ہے کہ تمہارے فیصلے کے بعد ان کے دل پھٹ جائیں۔

فصل حق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اللہ کا حق اور انسان کا حق۔ ایک حق تو اس قسم کا ہے کہ اُس میں مصالحت نہیں ہوسکتی جیسے حدیں ہیں اور زکوٰتیں ہیں اور کفارے ہیں اور ایسی ہی اور چیزیں۔ ان کے بارے میں تو خدا میں اور بندوں میں یہی صلح ہے کہ انہیں قائم رکھی جائیں نہ کہ مہمل چھوڑ دی جائیں۔ اسی لئے جب امام وقت کے سامنے حد والے جرم پیش کر دئے جائیں پھر تو جو اس میں سفارش کرے اور جو سفارش قبول کرے دونوں پر خدا کی لعنت ہے۔ البتہ انسانی حقوق میں صلح بھی قبول ہوسکتی ہے۔ معافی بھی۔ معاوضہ بھی۔ عدل والی صلح وہ ہے جو خدا رسول کے حکم سے ہو۔ فرمان ہے اُن میں عدل کے ساتھ صلح کرو اور ظلم کے ساتھ جو صلح ہو وہ سراسر ناانصافی ہے اکثر لوگ صلح کے موقعہ پر حدود عدل سے گزر جاتے ہیں اور قرض خواہ کو کم سے کم حق بھی انہیں دلواتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ عدل کی صلح حضرت کعب اور اُن کے قرض خواہوں میں کرائی۔ آدھا دلوایا اور آدھا معاف کرایا۔ حضرت سودہؓ کی طلاق کے عزم کے بعد جب اُنہوں نے باری بخشدی تو نان نفقہ کا حق مانتے ہوئے صلح کرلی یہی عدل والی صلح ہے کیونکہ مرد کو طلاق دینے اور دوسری کرنے کا حق ہر وقت حاصل ہے۔ پس جبکہ عورت اپنے بعض حق سے ہٹتی ہے بعض کو باقی رکھتی ہے اور درخواست کرتی ہے کہ اُسے طلاق نہ دی جائے تو یہ فی الواقع عدل کی صلح ہے۔ اسی طرح میراث کے بارے میں تنازع کرنے والوں سے آپ نے فرمادیا کہ جہانتک ہوسکے تم ایک دوسرے کا حق سامنے رکھ کر مال کو الگ الگ کرو۔ پھر ایک دوسرے کو کمی زیادتی معاف کردو مسلمانوں کی دو جماعتیں جو آپس میں لڑ بھڑ رہی ہوں پہلے تو اُن میں صلح کرانے کا حکم دیا پھر بھی اگر ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی سے باز نہ آئے تو باغیوں کی جماعت سے لڑنے کا حکم دیا اب صلح کا وقت نہیں رہا اس لئے کہ ظلم ان کی طرف سے ہے اب صلح کی پالیسی پر قائم رہنا مظلوموں پر اور ظلم کرانا ہے۔ بہت سے ظالم لوگ اصلاح کرانے والوں کے بھیس میں آکر ایک کمزور اور زور آور شخص کے درمیان ایسی صورت فیصلے کی کرتے ہیں جس سے قوی شخص کے ظلم کی بنیادیں اور مضبوط ہوجائیں اور اُس جاہ و عزت والے کی نگاہوں میں ان کی وقعت بڑھ جائے۔ حالانکہ اس صورت میں اُس مسکین کمزور پر سراسر بے انصافی ہوتی ہے یہ صلح کرانے والا اپنے دل میں مگن ہوتا ہے کہ اُس نے صلح کرادی حالانکہ مظلوم کا حق ظالم سے وصول نہیں کیا گیا یہ صلح نہیں بلکہ یہ تو صریح ظلم ہے۔ ہاں عدل تو اُس وقت ہے کہ جب جہانتک ہوسکے زیادہ سے زیادہ اُس کا حق دلوایا جائے پھر باقی حق معاف کرادیا جائے۔ اس میں بھی یہ خیال رہے کہ یہ معافی بھی کوئی اثر

جاسکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے کہ اندھے پر لولے پر بیمار پر اور خود تم پر اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے کھا پی لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں یہ ذکر نہیں کیا کہ تمہارے بیٹوں کے گھروں سے اس لئے کہ وہ تو خود انہی کے گھر ہیں اور اوپر خود اپنے گھروں کا ذکر آچکا ہے اس لئے اسے بیان نہیں فرمایا ورنہ ظاہر ہے کہ جن کے گھروں کا اس آیت میں ذکر ہے اُن سے بہت زیادہ قریب اولاد کے مکانات ہیں۔ اور وہ اس حکم میں سب سے پہلے داخل ہیں۔ اُن کی دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن میں ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے لئے جز مانتے ہیں پس اولاد کا اپنے باپ کا جز ہونا ثابت ہے پھر اپنے ہی جز پر اس کی گواہی کیسے معتبر مانی جائیگی؟ یہ بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں ہے کہ پاکیزہ تر چیز جو انسان کھائے وہ اُس کی اپنی کمائی کی چیز ہے اور اُس کی اولاد بھی اُسکی کمائی ہے۔ پس انسان اپنی کمائی پر آپ گواہ نہیں بن سکتا۔ یہ بھی ایک دلیل پیش کرتے ہیں کہ انسان پر اُس کی اولاد کے بارے میں شک شبہ کیا جا سکتا ہے۔ قدرتی طور پر وہ ان کی محبت میں متوالا ہوتا ہے جیسے کہ فرمان خدا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں تو ثابت ہے کہ تہمت کی اور فتنے کی باعث اولاد ہے۔ پھر ان کے بارے میں اُس کی گواہی کیسے ان لی جائیگی؟ ❊

فصل جن فقہا نے عام طور پر ہر قرابتدار کی گواہی دوسرے قرابت دار پر معتبر مانی ہے وہ اپنی دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ قرآن کا فرمان ہے کہ خدا کسی قوم کو ہدایت دیکر پھر گمراہ نہیں کرتا جب تک کہ اُن پر وہ چیزیں ظاہر نہ کرے جن سے بچنا ضروری ہے۔ فرماتا ہے ہمنے تیری طرف کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا خوب وضاحت سے بیان ہے۔ اُس کتاب میں فرمان خدا ہے کہ اپنے میں سے دو عادل گواہ رکھ لو۔ اور آیت میں ہے اپنے دو مردوں کو گواہ کر لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں جن کی گواہی تمہارے نزدیک معتبر ہو۔ اسی طرح ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو تمہاری آپس کی شہادت جب کہ تم میں سے کسی کی زندگی کا آخری وقت ہو دو گواہوں کی ہے جو تم مسلمانوں میں سے ہوں اور ہوں بھی عدل والے پس ان الفاظ میں عام طور پر مسلمان سب شامل ہیں باپ بھی بیٹے بھی اور رشتے دار بھی۔ پس جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا گواہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جس صورت میں ان دونوں میں کوئی قرابت داری نہ ہو اسی طرح اُس صورت میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ آپس میں رشتہ ناتہ اور قرابت داری بھی ہو۔ ان الفاظ کا بیک وقت رشتے دار غیر رشتے دار پر شامل ہونا تو وہ چیز ہے جس میں کوئی شک شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اب کوئی ایسی صاف صریح مضبوط دلیل قرآن سے حدیث سے یا اجماع سے ایسی نہیں جس سے باپ کو اولاد کو بھائی کو اور قرابت داروں کو اس سے نکال دیا جائے۔ بلکہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ باپ کی شہادت بیٹے کے بارے میں اور بیٹے کی شہادت باپ پر اور بھائی کی شہادت بھائی کے لئے جائز ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول بھی یہی ہے۔ زہریؒ فرماتے ہیں سلف صالحین ایسے نہ تھے کہ اُن پر قرابت داری کی محبت کا شک کر کے اُن کی شہادت مردود کر دی جائے۔ باپ کی بیٹے کے لئے بیٹے کی باپ کے لئے بھائی کی بھائی کے لئے خاوند کی عورت کے لئے۔ عورت کی خاوند کے لئے شہادت نہ لی جائے۔ جو تو بعد میں جب لوگ دین و دیانت میں سست پڑ گئے امانت داریاں اُڑ گئیں تو حاکموں کے دلوں میں رشتے داری کے ہونے نے شبہ پیدا کر دئے اور انہوں نے یہ بات طے کی کہ جہاں تہمت کا زیادہ امکان ہے وہاں گواہی چھوڑ دی جائے۔ مثلاً باپ بیٹے بھائی بھائی عورت مرد پس آخر زمانے میں بھی انہی لوگوں پر شبہ کر کے ان کی گواہی لینی چھوڑ دی گئی۔ قاضی شریح کی مجلس میں ایک عورت کی گواہی عورت کا خاوند اور اُس کا باپ دیتا ہے فریق مخالف کہتا ہے کہ باپ اور خاوند کی گواہی اس کے بارے میں آپ کیسے جائز کر دینگے؟ آپ نے فرمایا تیرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کی شہادتیں میں غیر معتبر کر دوں؟ اگر نہیں تو ہر مسلمان عادل ہے اور گواہ بن سکتا ہے اور اُس کی گواہی جائز درست ہے۔ اور روایت میں ہے کہ عورت کی گواہی بجز اُس کے باپ اور اُس کے خاوند کے اور کون دیگا؟ سلیمان کہتے ہیں بیٹے اپنی ماں کی گواہی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے پاس دی انہوں نے اُسے معتبر مانا اور میری گواہی پر فیصلہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیٹے کی گواہی باپ کے معاملے میں معتبر مانی جبکہ بیٹا عادل ہو۔ پس خیال کیجئے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام سلف صالحین اور قاضی شریح اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

پہلے فتوے اور پہلے حکم کا خلاف کیا۔ یہ نہ کہا کہ میں پہلے یہ کہہ چکا ہوں اب اس کے خلاف کیوں کہوں۔ آپ حق کے ساتھی رہے۔ اور یہی وطیرہ ائمہ اسلام کا آپ کے بعد بھی رہا۔ آپ کا اس خط میں فرمان ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کی شہادت کے بارے میں قابل اعتماد ہیں سوائے اُن کے جن کی جھوٹی شہادت کا تجربہ ہو گیا ہے۔ اور سوائے اُن کے جنہیں کوئی حد شرعی لگ چکی ہے یا جو نسبت آزادگی یا قرابت رکھتے ہیں۔ اس کی بابت سنئے! یہ تو قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو وسطاً یعنے عادل بنائی ہے تاکہ یہ لوگوں پر گواہ رہے تو یقیناً ان کی گواہی آپس میں بھی معتبر ہے جب تک کہ کوئی چیز اس اعتبار کو اٹھا دینے والی نہ ہو۔ پس جس پر جھوٹی گواہی دینے کا ثبوت ہو چکا ہو اُس کی گواہی معتبر نہ مانی جائیگی۔ اسی طرح جس پر کوئی حد شرعی جاری ہو چکی ہو اُس کی شہادت بھی معتبر نہیں اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کی گواہی کو قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ اسی طرح اُس کی گواہی بھی نامعتبر ہے جو اُس شخص کے لئے گواہی دے جس سے اُسے نفع پہنچ رہا ہو کیونکہ ممکن ہے اس وجہ سے اُس کی شہادت پر شبہ کیا جا سکے جیسے کہ آقا کی شہادت اپنے آزاد کردہ کے لئے اور اُس آزاد کردہ کی گواہی اپنے آزاد کرنے والے کے لئے جبکہ وہ اسی کی پرورش میں ہو یا اسی کیطرف جھکا ہوا ہو اور اس سے اُسے برابر نفع پہنچ رہا ہو۔ اسی طرح رشتہ دار کی اپنے رشتے دار کیلئے گواہی جبکہ اُس پر شبہ کیا جائے اور اگر یہ نہ ہو تو صحیح بات یہی ہے کہ قبول کی جائے گی۔ بعض فقہا تو عام طور پر ہر رشتے دار کی گواہی دوسرے رشتے دار کے بارے میں معتبر مانتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح غیر کی گواہی اُن کے نزدیک رشتے داری شہادت کو غیر معتبر کرنے والی نہیں۔ امام محمد بن ابو حزم وغیرہ ظاہری حضرات کا یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل وہ عام آیتیں اور حدیثیں ہیں جو اپنے عموم کے لحاظ سے قریب بعید رشتے دار غیر رشتے دار سب کو شامل ہیں اور ہے بھی یہ واقعہ کہ عمومات انہی کے ساتھ ہیں۔ فقہا کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ ماں باپ دادا نانی وغیرہ اوپر والوں کی شہادت اپنے بیٹوں پوتوں نواسوں وغیرہ پر معتبر نہیں اور اسی طرح ان کی شہادت اُن کے لئے معتبر نہیں۔ ان اصول و فروع کو

چھوڑ کر اور رشتے داروں کی گواہیاں آپس میں معتبر ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے لیکن اس بارے میں کوئی صاف صریح دلیل ان کے پاس نہیں۔ امام شافعیؒ ایک دلیل یہ لائے ہیں کہ اگر باپ کی شہادت بیٹے کے بارے میں معتبر مانی جائے تو یہ گویا ایسا ہے کہ خود اس کی شہادت اس کے لئے معتبر سمجھی گئی اس لئے کہ یہ اُسی کا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت فرمایا ہے کہ فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے اُس کی تکلیف میری تکلیف ہے اور اُس کی ایذا میری ایذا ہے۔ اسی طرح نواسے ہیں حضور ؐ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ میرا لڑکا سید ہے پس جب باپ اُنکی شہادت دیگا تو گویا وہ اپنے نفس کی گواہی دیتا ہے یعنے اپنا گواہ آپ ہے اس کی اولاد اسی کے جسم کا ایک حصہ ہے تو گویا یہ اپنے ہی حصے کی گواہی آپ ہی دیتا ہے۔ ایک وجہ ان فقہا نے یہ بھی بیان کی ہے کہ تہمت اور شک کی وجہ سے شہادت مردود ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ باپ اپنی اولاد کی گواہی میں شک کے قابل یقیناً ہے۔ اُسے اس کا خیال ضرور رہو گا۔ اولاد کے بارے میں حضورؐ کا یہ بھی فرمان ہے کہ تم بخیل بنانے والے ہو تم نامرد کر دینے والے ہو اور تم اللہ کی رحمت بھی ہو۔ ایک اثر میں ہے کہ اولاد باعث ہوتی ہے بخیلی اور نامردی کی۔ ایک دلیل یہ بزرگ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اولاد کی نسبت فرمایا ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ ہی کا ہے۔ پس جب اولاد کا مال اُن کے باپ کا ہی ہے تو اب بیٹے کے کسی مال کے مقدمے میں جب باپ گواہ ہو گا تو گویا وہ اپنی گواہی میں آپ کھڑا ہوا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے خیانت کرنے والے مرد کی خیانت کرنے والی عورت کی آزادگی کی نسبت اور قرابت داری رکھنے والوں کی اور حد لگائے ہوئے شخص کی شہادت جائز نہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں بعضیت اور جزئیت ہے اور یہ شہادت کی قبولیت سے مانع ہے جیسے کہ باپ بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ اور اُس کے قتل سے قتل نہیں کیا جا سکتا اور اُسے تہمت لگانے سے حد نہیں لگایا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ اسکا قرض اُس کے ذمے ثابت نہیں ہو سکتا جیسے کہ اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ نہ اُس سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کے باعث اُسے قید کیا

بیچے اور محاباۃ نہ ہو تو بیع باطل ہو جاتی ہے اور اگر ہو تو جس مقدار میں ہو گی باطل رہیگی۔ پس بطلان تہمت پر ہے نہ کہ گمان تہمت پر۔ یہ جو دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کو فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ ہی کا ہے اس سے بھی باپ کی بیٹے کے لئے اور بیٹے کی باپ کے لئے گواہی کا نامعتبر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور لطف یہ ہے کہ ہمارے اکثر وہ بھائی جو یہ حدیث پیش کرتے ہیں خود اس حدیث کے صاف مسئلے پر عامل نہیں ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ بیٹے کا مال حقیقۃً اور حکماً بیٹے ہی کا ہے نہ کہ باپ کا باپ کو اسکی کسی چیز کا مطلقاً اختیار نہیں نہ اُس کی ملکیت ہے۔ افسوس کہ اس حدیث میں جو ہے اُسے نہیں مانتے اور اس حدیث میں جو نہیں اُسے نہ صرف مانتے ہیں بلکہ منوانے کی فکر میں ہیں۔ یہ تو تمہاری حالت ہے اور بحمد اللہ ہم ہر حدیث کو قبول و تسلیم کرنے والے ہیں اور جو صحیح چیز ہو اُسے اس کی جگہ سے ہٹانے والے نہیں اگر اس حدیث میں یہ ہوتا کہ باپ کی شہادت بیٹے کے بارے میں اور بیٹے کی باپ کے بارے میں نامعتبر ہے تو ہم قطعاً یہی کہتے اور یہی مانتے اور آپ حضرات سے پہلے ہم اس کے قائل ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو چیز تم ہم سے منوانا چاہتے ہو وہ اُس میں ہے ہی نہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ لِاَبِیْكَ میں لام ملکیت کے لئے ہے ہی نہیں۔ تم میں سے اکثر حضرات بھی اس کے قائل نہیں اسی طرح اس لام سے اباحت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بیٹے کا مال باپ کو مباح نہیں۔ پس بیٹے کا مال نہ تو باپ کی ملکیت ہے نہ اُس کے لئے مباح ہے۔ اسی لئے بعض سلف کا قول ہے کہ بیٹے کی شہادت باپ کے معاملے میں تو مانی جا سکتی ہے ہاں باپ کی شہادت بیٹے کے بارے میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ ایک روایت دو روایتوں میں سے حسنؒ اور شعبیؒ سے بھی یہی مروی ہے اور ایک روایت میں امام احمدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور سنئے! جو لوگ اس حدیث سے بیٹے کا مال باپ کے لئے مباح بتلاتے ہیں وہ حدیث کے ماننے کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ اتنا بھی نہ مانا تو پھر حدیث کا کوئی فائدہ ہی نہ رہا نہ اُس کی کسی امر پر دلالت ہی باقی رہی۔ اور یہ مان لینا کہ باپ اپنے بیٹے کا جو مال چاہے لے سکتا ہے اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس کی شہادت ہی اس کے بارے میں معتبر نہ مانی جائے باوجودیکہ شہادت قطعی ہو اور تہمت اور شک کا بالکل امکان نہ ہو۔ مثلاً اُس کے نکاح کی گواہی یا حد کی گواہی یا کسی ایسے امر کی گواہی جس میں اُس پر شبہ نہ کیا

جا سکتا ہو۔ اب زکوٰۃ کا نہ دیا جانا اُس کے بدلے میں اس سے قصاص کا نہ لیا جانا اُس کی حد اس پر نہ لگنا اُس کا قرض اس کے ذمے نہ ہونا نہ اُس قرض کے بدلے اس کا قید کیا جانا یہ وہ چیزیں نہیں جن سے اس امر پہ استدلال ہو سکے استدلال تو اُس سے ہو سکتا ہے جو قرآن حدیث کے الفاظ میں ہو یا اجماع سے ہو اور تمہارے پاس ان دونوں میں سے ایک چیز بھی نہیں۔ یہ مسائل تو نزاعی ہیں اجماعی نہیں۔ یہ مسائل جو تم نے بیان کئے یہ سب یا ان میں سے بعض بالفرض ثابت ہو بھی جائیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان سے گواہی کی قبولیت پر کیا اثر پڑیگا؟ بالخصوص اُس وقت جبکہ کوئی وجہ اتہام بھی نہ ہو۔ آپ ہی بتلائیے کہ قبولِ شہادت میں اور قصاص کے جاری ہونے میں اور قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری ہونے میں کونسا تلازم ہے؟ نہ تو کوئی عقلی تلازم ہے نہ شرعی۔ بلکہ ان احکام کے بارے میں تو باپ مثل ایک اجنبی کے ہے نہ اُسکے بجلائے اُسے حد ماری جا سکتی ہے نہ اُسکے بدلے اس سے قصاص لیا جا سکتا ہے نہ اُس کے قرض کی وجہ سے اسے قید کیا جا سکتا ہے۔ باپ ہونے کا منصب اس سے روکتا ہے اور اس کی برائی تو فطرت میں موجود ہے اور کل مسلمان اس پر متفق ہیں اور جب کل مسلمان کسی چیز کو اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور جسے بُرا جانیں وہ بری ہوتی ہے۔ رہی گواہی سو اُس کا دار و مدار صداقت و عدالت پر ہے۔ جبکہ خبر دینے والا صادق اور امین ہو اُس پر جھوٹ کا شبہ نہ ہو پھر بھی اُسے قبولیت کے مرتبے سے گرا دینا عام مسلمانوں کے نزدیک قبیح ہے۔ اور اسی طرح شرع کی رُو سے بھی۔ شریعت کا تو منشا ہی یہ ہے کہ سچے کو سچا مانا جائے اور اُس کی شہادت قبول کی جائے اور جھوٹے کو جھوٹا کہا جائے اور اُس کی تکذیب کر دی جائے۔ البتہ فاسق اور متہم شخص کی خبر میں توقف کرنا چاہیے۔ اس صورت میں نہ تو حق رد ہو سکتا ہے نہ باطل قبول ہو سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ والی حدیث بھی اگر ثابت ہو جائے تو اُس میں بھی تمہاری کوئی دلیل نہیں۔ اس سے یہی تو ثابت ہوتا ہے کہ قرابتداری کی وجہ سے جس پر تہمت ہو اُس کی شہادت اس قرابت دار کے حق میں قبول نہ کی جائے اسی طرح ولدیت کی وجہ سے۔ تو ہم تو خود اس بات کے قائل ہیں کہ شبہ کے بعد شہادت مردود ہے۔ پھر لطف دیکھئے کہ اس حدیث کو جو بزرگ ہمارے مقابلے میں پیش کرتے ہیں وہ خود اسے نہیں مانتے وہ نہیں کہتے کہ ہر قرابت دار کی شہادت دوسرے قرابت دار پر نامقبول ہے وہ تو صرف

اور امام ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمۃ اللہ علیہ بیٹے کی شہادت کو باپ کے مقدمے میں اور باپ کی شہادت کو بیٹے کے مقدمے میں جائز مانتے ہیں بلکہ بقول امام ابن حزمؒ ایاس بن معاویہ عثمان بتی اسحاق بن راھویہ ابو ثور مزنی ابوسلیمان داؤد بن علی اور اُن کے تمام شاگرد اور ساتھیوں کا یہی قول ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ باپ بیٹوں اور بھائیوں بھائیوں کی شہادت پچھلے لوگوں نے ہی رد کی ہے۔ سلف صالحین اسے معتبر مانا کرتے تھے۔ اس مسئلے میں جو مخالف ہیں اُن کی دلیلوں کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے ایک تو بعضیت جو اولاد اور باپ میں ہے اگر ان کی شہادت معتبر مانی گئی تو لازم آئیگا کہ وہی مدعی اور وہی شاہد۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل بالکل بودی ہے کیونکہ بعضیت ذاتی ہونا اور چیز ہے اور احکام میں بعضیت اور چیز ہے وہ خواہ دنیوی احکام ہوں خواہ اُخروی ہوں مثلاً ثواب و عذاب وغیرہ۔ پس ایک چیز جو مثلاً باپ پر واجب ہو کوئی وجہ نہیں کہ بعضیت ہونیکی وجہ سے وہ چیز بیٹے پر بھی واجب ہو جائے اور اسی طرح حُرمت ایک کے ذمے ثابت ہو جانے سے دوسرے کے ذمے ثابت نہیں ہو جائیگی۔ حد اگر ایک پر ثابت ہوئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے پر بھی جاری کر دی جائے۔ خود حضورؐ کا فرمان ہے کہ باپ کے گناہ کی سزا بیٹے پر نہیں۔ پس اس کا بوجھ نہ تو اُس پر ہے نہ اُس کے بدلے یہ سزا دیا جائیگا نہ اُس کی نیکیوں کا ثواب اسے ملیگا۔ کون ہے جو کہدے کہ باپ کی دولت مندی کی وجہ سے اُس پر جو حج و زکوٰۃ فرض ہے وہ اُس کے بیٹے پر بھی باوجود مال دار نہوئے کے فرض ہے کیونکہ بیٹا باپ کا جزء ہے۔ اور لیجئے دُنیا مانتی ہے کہ باپ بیٹوں میں بیوپار تجارت صحیح ہے اجارہ اور شرکت معتبر ہے غرض بیوپار درست ہے تو اگر باپ بیٹوں کی جزئیت اور بعضیت ایک دوسرے کی گواہی کو باطل ثابت کر سکتی ہے اس لئے کہ گویا وہ اپنا گواہ آپ ہے تو یہ چیزیں کیوں باطل نہیں کی جاتیں؟ یہاں بھی تو وہی ہے کہ گویا کوئی آدمی خود ہی گاہک ہے اور خود ہی بیوپاری ہے اپنا شریک آپ ہی ہو رہا ہے اپنا حصے دار خود ہی بن رہا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ اس لین دین وغیرہ میں تو کوئی شبہ کا اور تہمت کا موقعہ نہیں بخلاف گواہی کے کہ وہاں شبہ اور تہمت کا گمان ہے تو ہماری طرف سے جواب دیا جائیگا کہ تم اپنی پہلی دلیل سے تو ہٹ گئے اب تم

اپنی اُس دلیل پر آگئے جو تمہارے دار مدار کی دوسری چیز تھی یعنے تہمت کا موقعہ۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تو مستقل ایک وجہ ہے اور بہت معقول وجہ ہے فی الواقع اس سے گواہی کمزور ہو جائیگی لیکن یہ کس نے کہا کہ یہ صرف یہیں ہے اور جگہ نہیں۔ یہ تو جہاں بھی ہوئی گواہی کو جڑ سے کھو دیگی کیا اگر کوئی اجنبی شخص پر اگر یہ گمان ہو تو کیا اُس کی شہادت ویسی کی ویسی معتبر ہی رہیگی بہت ممکن ہے کہ دوستی اور برادری کی وجہ ہو۔ رشتے داری نہو۔ بلکہ بعض لوگوں میں تو محبت و مودت اس قدر ہوتی ہے کہ رشتے داروں میں بھی وہ بات نہیں پائی جاتی بلکہ باپ بیٹوں میں بھی وہ تعلق نہیں ہوتا واقعات اس کے شاہد ہیں بلکہ اکثر لوگ قرابت داری کو کوئی چیز نہیں سمجھتے جتنا دوستی اور محبت کو سمجھتے ہیں۔ اپنے دوست اپنی برادری والے اُن کے نزدیک ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں اگر کہا جائے کہ اعتبار ظن و گمان کا ہے اسی کے لئے ضابطہ اور کلیہ اور قاعدہ بنایا جاتا ہے۔ محبت کا اعتبار نہیں نہ وہ ایسی چیز ہے جسے کسی قاعدے قانون کے ماتحت لایا جائے۔ اور اُسے سبب بنایا جائے۔ تو ہم کہینگے کہ یہ بات اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ خود شرع نے کوئی ایسا اعتبار بتلایا ہو اور اُس پر احکام معلق رکھے ہوں لیکن گمان کیلئے یہ حکم نہیں تم یہ تو بتلاؤ کہ شارع نے یہ کہاں فرمایا ہے کہ باپ بیٹا ہونا اور بھائی بھائی ہونا شہادت کی قبولیت کا مانع ہے؟ اور بعد والوں نے جو امکان تہمت و شبہ پر نظر رکھی ہے یہ ایک عام وصف ہے جو ہر جگہ حکم میں تاثیر رکھتا ہے۔ پس جب اس کا ہونا معتبر ہے ایسے ہی اس کا نہ ہونا بھی معتبر ہے خصوصی قرابت داری اور عموم رشتے داری کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہو سکتا ہے کہ قرابت داری ہو اور شک شبہ کی اور بدگمانی کی اور تہمت کی کوئی وجہ نہو اور ہو سکتا ہے کہ قرابت داری مطلقاً نہ ہو اور تہمت و بدگمانی کا موقعہ ہو۔ پس شارع نے تو شہادت کی قبولیت کا معیار عدالت کو اور شاہد کے پسندِ خاطر ہونے کو رکھا ہے اور قبولیت کو گرا دینے کا معیار شرع نے فسق و فجور رکھا ہے اُس نے غیر ہونے کو قبولیت کا اور اپنا ہونے کو رد کر دینے کا معیار مقرر نہیں کیا۔ باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ اس کے ساتھ ان تجارتی تعلقات وغیرہ میں اُس پر اتہام اور شبہ کی گنجائش نہیں اسے ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ اُس کے ساتھ متہم ہے محاباۃ میں۔ اور اُس کے ہوتے ہوئے یہ چیز باطل نہیں اگر اُس کے ہاتھ یہ اپنی کوئی چیز مرض موت میں

کی نافرمانی اور خیانت کرنا اس فرمان کے وقت آپ ٹیک لگائے بیٹھے
ہوئے تھے آپ تکیے سے ہٹ گئے اور فرمانے لگے اور جھوٹی بات اور جھوٹی
بات بار بار اس کو فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم کہنے لگے کاش کہ آپ چپ رہ
جاتے صحیحین کی اور حدیث میں ہے سب کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر کبیرہ
گناہ یہ ہے اللہ کے ساتھ شریک کرنا کسی کو مار ڈالنا۔ ماں باپ کی مخالفت
اور جھوٹ بات بولنا۔ تمام مسلمان بلا اختلاف اس بات کو مانتے ہیں کہ
جھوٹی شہادت سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ ہاں ویسے جھوٹ بولنا کوئی تو
صغیرہ بتلاتے ہیں کوئی کبیرہ۔ امام احمدؒ سے دونوں روایتیں ہیں۔ کبیرہ
بتلانے والوں کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے چند آیات میں
اسے بدترین لوگوں کا شیوہ بتلایا ہے یعنی کفار اور منافقوں کا اور جھوٹ
کو اس نے جہنمیوں کا نشان اور ان کی علامت قرار دیا ہے اور سچائی کو
جنتیوں کا نشان اور ان کی عادت قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فرماتے ہیں سچائی کو لازم پکڑے رہو اس سے نیکی کا رستہ ملتا ہے
اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے انسان سچ کی عادت ڈال کر خدا
کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے۔ لوگو! جھوٹ سے بچتے رہو۔ جھوٹ
بدکاری کی رہنمائی کرتا ہے اور بدکاری جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔
انسان جھوٹ بولتے بولتے خدا کے ہاں کذاب لکھ لیا جاتا ہے۔ صحیحین میں
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں منافق کی تین خصلتیں ہوتی
ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے جب
امانت دیا جائے خیانت کرے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جھوٹ سے
زیادہ بری کوئی چیز حضورؐ کے نزدیک نہ تھی کسی کا ذرا سا جھوٹ آپ پر
ظاہر ہو جائے تو جب تک اس کی توبہ نہ معلوم ہو آپ کے دل میں وہ
بات رہا کرتی تھی۔ ایک مرسل روایت میں ہے کہ ایک شخص کے ایک
جھوٹ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت رد کر دی
امام احمدؒ نے اپنی دو روایتوں میں سے ایک میں اس حدیث سے دلیل
لی ہے۔ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ
جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ ایمان کا مخالف ہے۔ یہ روایت مرفوعاً بھی آئی
ہے۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی جبلت ہر طرح پر ہوتی ہے
لیکن خیانت و کذب سے اس کی سرشت مبرا ہوتی ہے۔ یہ روایت بھی
مرفوعاً مروی ہے۔ مسند اور ترمذی میں ہے کہ صبح کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر
تین بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی گواہی خدا کے ساتھ
شرک کرنے سے ملا دی گئی۔ پھر آپ نے آیت فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ
الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ الخ کی تلاوت فرمائی۔ یعنی بتوں کی
گندگی سے اور جھوٹی باتوں سے بچو۔ اللہ کے لئے خالص ہو کر اس کے
ساتھ شریک نہ بنانے والے بن کر۔ مسند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فرماتے ہیں قیامت کے قریب خاص خاص لوگوں کو ہی سلام کیا جائیگا
اور تجارت اس قدر بڑھ جائیگی کہ عورت اپنے خاوند کی تجارت میں اس کی
مدد کریگی۔ رشتے ناتے کاٹ دیئے جائینگے۔ جھوٹی گواہیاں دی جائینگی
اور سچی شہادت چھپائی جائیگی۔ حضرت محارب بن دثار کے پاس دو شخص
اپنا مقدمہ لے کر آئے ایک کا دعویٰ دوسرے پر کچھ مال کا تھا۔ وہ اس سے
انکاری تھا۔ مدعی کی طرف سے ایک صاحب گواہی کے لئے پیش ہوئے
اور گواہی دی اس پر مدعی علیہ نے کہا خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں
کہ اس نے سچی گواہی نہیں دی میں اس شخص کو جانتا ہوں نہایت نیک آدمی ہے
لیکن اس وقت تو صرف اس دلی عداوت کی وجہ سے جو اس کے دل میں میری
تھی لغزش کر بیٹھے۔ حضرت محارب تکیے سے لگے بیٹھے تھے یہ سنکر سنبھل بیٹھے
اور فرمانے لگے اے شخص میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے انہوں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئیگا کہ بچے بوڑھے
ہونے لگینگے حمل گرنے لگینگے۔ پرندے اپنی دُمیں رگڑنے لگینگے اور اپنے پیٹ میں
جو ہوگا ڈال دینگے کیونکہ وہ دن بے حد سخت ہوگا ان کا کوئی قصور نہ ہوگا۔
جھوٹے گواہ کے قدم تو جہنم میں ہی جا کر ٹکتے ہیں۔ پس اے گواہ اگر تو نے
سچی گواہی دی ہے تو اللہ سے ڈر کر اپنی شہادت پر قائم رہ اور اگر تو نے جھوٹی
گواہی دی ہے تو اللہ سے ڈر اور اپنا سر ڈھانپ کر اس دروازے سے
نکل جا۔ اور روایت میں ہے کہ جب گواہ کا نام آیا تو مدعی علیہ نے اِنّا للہ الخ
پڑھ کر کہا کہ وہ تو مجھ پر جھوٹی گواہی دے جائیگا اور مجھ سے اس کے بارے میں
اگر دریافت ہو تو میں تو اسے پاک نہ کہہ سکونگا۔ جب وہ گواہ آ گیا تو
حضرت محارب نے فرمایا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ پرند جانور قیامت کے خوف سے
اپنی چونچیں رگڑ رہے ہیں اور سینوں میں جو ہے اسے ڈال رہے ہیں

باپ بیٹے کی شہادت میں اُلجھے ہوئے ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس حدیث
میں یہ تو بیان نہیں اس میں ردِّ شہادت کی وجہ تہمت قرابت ہے۔
سخت تعجب ہے کہ اصلی وجہ کو تو پس پشت ڈالدیا اور دوسری چیز لگے
کرلی۔ وصفِ تہمت کو ہٹا کر اس کے بدلے وصفِ قرابت لے لیا۔
اور اُسے بھی تمام قرابت داروں سے ہٹا کر ایک فرد میں مخصوص کردیا پس
بحمد اللہ اس حدیث کے بھی صحیح طور پر ماننے والے ہم ہیں۔ امام مالکؒ کے
اصحاب باپ کی، بیٹے کی بھائی کی خاوند کی بیوی کی شہادت اس بات پر قبول
کرتے ہیں کہ اس نے فلاں کو وکیل مقرر کیا ہے ہاں اس بارے میں کہ فلاں
نے اُسے وکیل مقرر کیا ہے ان کی شہادت معتبر نہیں مانتے۔ اس لئے کہ
پہلی صورت میں ان پر تہمت و شبہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں بھائی کی بھائی پر شہادت
یہ تو وہ ہے جسے جمہور جائز جانتے ہیں۔ یہی ہے جیسے امام مالکؒ سے روایت
کیا جاتا ہے بجز اسکے کہ وہ اس کی عیال میں ہو۔ بعض مالکیہ کا قول ہے کہ
اس شرط پر جائز ہے کہ گواہ کی عدالت پوری طرح ظاہر ہو بعض کہتے
ہیں اس شرط پر کہ وہ اُسے کچھ عطیہ دیتا نہ ہو۔ اشہب کہتے ہیں تھوڑی
سی چیز کے بارے میں مقبول ہے اگر معاملہ اہم ہو تو پھر قبول نہیں۔ ہاں اگر
اُس کی نیک نیتی اور بھلائی اور عدل پوری طرح ثابت ہو جائے تو بڑے
سے بڑے کام میں بھی اُس کی شہادت مقبول ہوگی۔ ان میں کے بعض یہ
بھی کہتے ہیں کہ برابر ہر ایک شہادت مقبول ہی ہے سوائے اُن معاملات کے
جہاں شک و شبہ کا امکان بہت زیادہ ہو مثلاً کوئی ایسی گواہی اس
کے موافق دے جس سے اُسے شرافت اور جاہ حاصل ہوتی ہو۔ پس صحیح
بات یہی ہے کہ بیٹے کی باپ کے بارے میں اور باپ کی بیٹے کے معاملے
میں شہادت مقبول ہے جب تک شک شبہ اور وجہ تہمت نہ ہو۔ اس
پر امام احمدؒ نے تو کھلے لفظوں میں ہاں کہا ہے آپ سے تین روایتیں ہیں
منع کی۔ قبول کی جب شک شبہ کا موقع نہ ہو۔ اور بیٹے کی باپ کے معاملے
میں شہادت قبول ہونے کی لیکن باپ کی بیٹے کے معاملے میں شہادت
قبول نہ ہونے کی۔ ابن المنذر نے تو اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ ہر ایک
کی گواہی دوسرے پر معتبر ہے جیسے کہ اُن لوگوں کی گواہی جن میں کوئی رشتہ
نہ ہو۔ اسی طرح امام احمدؒ نے بھی کھلے لفظوں میں ایک کی شہادت دوسرے
پر مقبول مانی ہے اسی کی دلالت اس آیت قرآن میں بھی ہے کُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ
الْاَقْرَبِيْنَ یعنے اللہ کے حکم کے مطابق عدل کے ساتھ سچے گواہ بن جاؤ
گو اپنے اوپر یا ماں باپ کے اوپر ہو یا رشتے داروں کے اوپر ہو۔ ہاں اصحاب
احمدؒ نے امام احمدؒ سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے کہ ان کی شہادت
قبول نہ ہوگی مصنف مغنی کہتے ہیں کہ میں نے تو جامع خلال میں امام احمدؒ سے
یہی روایت پائی ہے کہ یہ گواہی معتبر ہے۔ بعض شافعیہ کا قول ہے کہ بیٹے
کی گواہی باپ پر قصاص میں اور تہمت رکھنے کی حد میں قبول نہ کیجاویگی
اس لئے کہ وہ اس کے بدلے قتل نہیں کیا جاتا اور نہ اُس پر تہمت رکھنے
سے اسے حد لگائی جائیگی۔ لیکن یہ قیاس بے حد کمزور ہے اس لئے کہ حد
قتل کی منع کی صورت میں مستحق وہی ہے اور یہاں مستحق اجنبی ہے۔ ہاں یہ
کہ تہمت کا شبہ شہادت کی قبولیت سے مانع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ
وارث کی شہادت اپنے مورث کے لئے جائز ہے مال کی ہو یا کچھ اور۔ اور
یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی طرف بھی تہمت کا گمان ویسا ہی ہوسکتا ہے جیسے
کہ باپ بیٹے کے درمیان۔ اسی طرح دو بیٹوں کی شہادت اپنے باپ کے
متعلق اُس کی ماں کی سوکن کی طلاق پر معتبر ہے باوجودیکہ وہ شہادت
اُن کی ماں کے لئے ہے۔ اور اس سے ان کی ماں کا حصہ ترکے کا بڑھ جاتا
ہے اور باپ کی توجہ اسی کی طرف ہو جاتی ہے۔ پس احتمال تہمت موجود
ہے پھر بھی گواہی مقبول ہے۔ پھر کیا وجہ کہ باپ کی گواہی بیٹے کے لئے اور
بیٹے کی گواہی باپ کے معاملے میں باوجود احتمال تہمت و شک نہ ہونے
کے مردود ہو؟ پس ہمارے نزدیک تو صحیح مسئلہ یہی ہے اسی کو ہم اپنے
لئے شریعت بنائے ہوئے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ **فصل**۔ حضرت
عمرؓ کا اس خط میں یہ لکھنا کہ جس پر جھوٹی گواہی کا بار بار تجربہ ہوچکا ہو۔
یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی اگر کسی نے جھوٹی گواہی
دی ہو تو اس سے بھی اس کی شہادت ہمیشہ کے لئے غیر معتبر مان لی
جائیگی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شرک کے ساتھ جھوٹی گواہی کو ملادیا ہے
فرمان ہے وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ
بِهٖ جھوٹے قول سے بچو اللہ کے لئے یکسوئی حاصل کرکے اُس کے ساتھ
شریک نہ ٹھیرا کر۔ صحیحین میں بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں
تمہیں سب سے بڑھ کر کبیرہ گناہ بتلاتا ہوں اللہ کے ساتھ شریک کرنا پھر ماں باپ

گمان ہے کہ حد لگے ہوئے کی شہادت جائز نہیں اور میں کہتا ہوں کہ ابن عمرؓ نے ابوبکرہ سے فرمایا کہ تو توبہ کر لے میں تیری شہادت قبول کروں گا۔ ابن المسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تین شخصوں پر حد جاری کی تو اُن سے توبہ کرنے کو فرمایا۔ دو نے تو کر لی آپ نے اُن کی شہادت قبول فرمائی۔ ابوبکرہ نے انکار کیا آپ نے اُسکی شہادت رد کر دی۔ ان تینوں شخصوں کے نام یہ ہیں۔ ابوبکرہ شبل اور نافع ان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے جو توبہ کر لیگا میں اُس کی شہادت کا اعتبار کیا کروں گا۔ ان لوگوں نے مغیرہ پر گواہی دی تھی امیر المومنین عمرؓ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم سچے دل سے توبہ کر لو تمہاری گواہی معتبر ہو جائیگی پس دو نے تو کر لی ابوبکرہ نے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا اس کی شہادت مردود ہے۔ یہ جماعت کہتی ہے کہ استثنا اگلی تمام چیزوں پر عائد ہے سوائے حد کے اس لئے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ توبہ سے تہمت لگانے والے پر سے حد نہیں ہٹتی۔ ائمہ لغت فرماتے ہیں کہ استثنا اگلی کل چیزوں پر لوٹتا ہے۔ ابو عبید نے کتاب قضا میں لکھا ہے کہ اہل حجاز کی اہل مکہ کی ایک جماعت اسکی شہادت قبول کرنے کے حق میں ہے۔ اہل عراق پہلا قول لیتے ہیں کہ کسی وقت بھی اس کی گواہی قبول نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق آیت کی تفسیر کی ہے۔ قبول نہ کرنے والے تو کہتے ہیں کہ لفظ ابداً پر کلام ختم ہو گیا۔ پھر نیا جملہ بیان فرمایا کہ یہی لوگ فاسق ہیں پھر توبہ کرنے والوں کا استثنا کر لیا تو یہ استثنا صرف فسق سے ہے نہ کہ قبولیت شہادت سے۔ دوسروں کی تفسیر اس طرح ہے کہ یہ سب کلام ایک ہی بارے میں ہے ہر جملے کا دوسرے جملے سے تعلق ہے پس جب اُن میں سے خاص کیا گیا تو پہلے کے کل کلام سے استثنا ہوا۔ ابو عبید کا قول ہے کہ یہی قول میرے نزدیک مقبول ہے اسی کے قائل تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہیں اور اُن کا یہ قول ظاہری نظر میں درست معلوم ہوتا ہے اور قول کا وزن نقل سے زیادہ نہیں ہوا کرتا۔ پس جبکہ زنا کی حد جسے لگی ہو اُسکی گواہی مقبول ہے جب وہ توبہ کر لے تو کوئی وجہ نہیں کہ تہمت لگانے والے حد لگے ہوئے توبہ کئے ہوئے کی گواہی مردود کر دی جائے۔ تم جو ابن عباسؓ کا قول لائے ہو اس کی نسبت سنو۔ امام شافعیؒ ابن عباسؓ سے ہی روایت کرتے ہیں کہ تہمت لگانے والے کی شہادت کو وہ قبول رکھتے تھے جبکہ وہ تائب ہو گیا ہو۔ آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جو

توبہ کر لے اور اصلاح کرے اُس کی شہادت کتاب اللہ کی اسی آیت کی رو سے مقبول ہے شعبیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے لیکن یہ لوگ اُس کی شہادت قبول نہیں کرتے۔ آپ کا قول ہے کہ جب اُسے حد لگ چکی پھر وہ اپنے تئیں جھٹلا دے اور اپنی بات سے پلٹ جائے تو اُس کی گواہی معتبر ہے۔ اور اس کے خلاف جو آثار تم نے روایت کئے ہیں اُن میں ضعف ہے ان کا راوی آدم بن ابی فائد غیر معروف ہے۔ اور اس کے راوی جو حضرت عمرؓ کے نیچے کے ہیں۔ اُن میں ثقہ بھی ہیں اور ضعیف بھی ہیں لیکن ثقہ راویوں میں سے کسی نے حد لگائے ہوئے کا ذکر ہی نہیں کیا اس کے ذکر کرنے والے صرف ضعیف راوی ہی ہیں جیسے مثنیٰ بن صباح آدم اور حجاج حضرت عائشہ رضؓ والی حدیث کے راوی یزید ہیں جو بالکل ضعیف ہیں۔ باوجود اس کے ہم کہتے ہیں کہ یہ اُس وقت ہے جب اُس نے توبہ نہ کی ہو۔ توبہ کرنیوالا تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی بالکل بے گناہ۔ اس کی شہادت توبہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ نے قبول فرمائی ہے اور دیگر صحابہ میں ان کا مخالف کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ اور لیجئے شہادت کو غیر معتبر بنانے والی سب سے بڑی چیز کفر ہے جادو ہے قتل ہے ماں باپ کی ناراضمندی ہے سود خواری ہے لیکن جب ان میں سے بھی کسی سے توبہ کر لے اُس کی شہادت مان لی جاتی ہے پھر تہمت لگانے والے کی توبہ کے بعد کی شہادت کیوں نہ مانی جائے گی؟ کہاں قتل کہاں تہمت؟ اور لیجئے جب حد لگ گئی آخرت کی سزا اس پر سے ہٹ گئی۔ حد نے اسے پاک صاف کر دیا۔ اس لئے کہ حد لگ جانا پاکیزگی ہے پس اُس کی شہادت آپ قبول کرتے ہیں اُس وقت جبکہ وہ حد لگ کر پاک نہیں ہوا۔ اور جب پورا پاک ہو گیا یعنے حد بھی لگ گئی توبہ بھی کر لی تو آپ اُس کی شہادت قبول نہیں کرتے۔ اور سنئے اس کی گواہی کے غیر معتبر ہونے کی علت اُس کا فسق ہے اور توبہ فسق کو دور کر چکی تو جب اصل چیز ہٹ گئی تو اس کی وجہ سے جو چیز تھی وہ باقی کیسے رہ جائیگی؟ اچھا لو۔ تہمت لگانے والا فاسق ہے اُسے حد لگے یا نہ لگے تو حد سے پہلے تو آپ حضرات اُسے مقبول الشہادت مانتے ہیں اور حد لگتے ہی آپ کے نزدیک وہ مردود الشہادت ہو گیا عجیب ہے فاسق تھا تب شہادت مقبول فسق جب ہٹ گیا شہادت مردود۔ پھر یہ آپ کا خیال ایسا اچھوتا ہے کہ شریعت میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہے کوئی ایسا گناہ کہ جو اثر اُس پر مرتب ہوا ہو وہ توبہ کے بعد بھی باقی رہا ہو۔ پس یہ تو

اور اپنی دُبیں ہلا رہے ہیں سنو جھوٹے گواہ کے قدم زمین پر نہ ٹکینگے کہ اُسے جہنم میں جھونک دیا جائیگا پھر اُس شخص سے کہا تو کس چیز کی گواہی دیتا ہے اُس نے جواب دیا کہ میں ایک بات کا گواہ تو تھا لیکن میں اُسے بھول گیا ہوں مجھے اجازت دیجئے کہ میں لوٹ جاؤں اور اُسے یاد کر لوں۔ چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور گواہی نہیں دی مسند ابویعلیٰ موصلی میں بھی اور الفاظ سے یہ روایت ہے۔ **فصل**۔ سب سے بُری چیز جس سے شہادت فتوے اور روایت رَدّ ہو جاتی ہیں وہ جھوٹ ہے۔ یہ جھوٹ وہ بلا ہے جو سرے سے اعتبار ہی کھو دیتی ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی اندھا کہے کہ میں نے چاند دیکھا یا کوئی بہرا کہے کہ فلاں کے اقرار کو میں نے سُنا۔ جھوٹا آدمی تو ایسا ہے جیسے کوئی معطّل عضو انسان جو بالکل بیہودہ ہو بلکہ یہ اُس سے بھی بدتر ہے۔ اس سے بدخصلت انسان میں اور کوئی ہو نہیں سکتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اور رسول ؐ کے ذمے جھوٹ بولنے والوں کے منہ قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ سیاہ کر دیگا۔ فی الواقع جھوٹ کالا منہ کرنے والی چیز ہے۔ ہر صادق شخص جھوٹے آدمی کے ملعون چہرے کو بیک نگاہ پہچان لیتا ہے۔ جھوٹے کے چہرے پر خدائی پھٹکار اس طرح برستی ہے کہ بھلے لوگ نگاہ ڈالتے ہی جان جاتے ہیں۔ سچے کے چہرے پر ہیبت وجلالت شان و شوکت نور و حلاوت ہوتی ہے۔ جو اُسے دیکھتا ہے اُس کے دل میں اس کی محبت اور عظمت جگہ کر لیتی ہے اور کاذب کو جو دیکھتا ہے اُس کے دل میں نفرت و حقارت کے جذبات کا طوفان امنڈنے لگتا ہے۔ و باللہ التوفیق۔ **فصل** امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ حد جس پر جاری ہو چکی ہو اُس کی گواہی بھی نہ مانی جائے اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر بہتان و الزام لگائے اور اس وجہ سے اُسے حد لگے تو اُس کے بعد اُس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ اس بات پر تمام اُمّت کا اتفاق ہے توبہ سے پہلے اس کی گواہی مردود ہے۔ توبہ کے بعد کی قبولیت کے بارے میں علما کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ پھر بھی قبول نہیں۔ امام ابوحنیفہ اُن کے ساتھی اور اہل عراق کا یہی قول ہے۔ دوسرا یہ کہ بعد توبہ مقبول ہے۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا یہی قول ہے۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ فاسق کی شہادت مقبول نہیں گو وہ توبہ بھی کر لے۔ ابوبکرہ کو جب کوئی گواہ بنانا

چاہتا تو وہ کہدیتے کہ اور کسی کو گواہ کر لو۔ لوگ مجھے فاسق بتاتے ہیں یہی ثابت ہے مجاہد سے عکرمہ سے حسن سے مسروق سے اور شعبی سے۔ دو روایتوں میں سے ایک کی رُو سے قاضی شُریح کا قول بھی یہی ہے۔ اس قول والوں کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے کہ اُن کی شہادت ہمیشہ کے لئے قبول نہ کرو۔ اس ممانعت کی ہمیشگی بیان فرما کر انہیں فاسق فرمایا پھر فاسقوں میں سے توبہ کرنے والوں کو الگ کر لیا اور ان سے ساری عمر کی شہادت کی قبولیت کے منع ہونے کو دور کر دیا۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ خیانت کرنے والے مرد عورت اور حد لگائے ہوئے مرد وعورت اور کینہ ور شخص کی شہادت جس سے وہ کینہ رکھتا ہو مردود ہے۔ ایک روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جس کی جھوٹی شہادت کا تجربہ ہو چکا ہو اُس کی اور جو دوسرے کی ولا میں ہو اُس کی اور قرابت دار کی شہادت بھی قابل قبول نہیں۔ یہ روایت مرسل بھی مروی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس کی گواہی کا ناجائز ہونا اس کی سزا میں داخل ہے اسی لئے حد کے لگ جانے کے بعد شہادت مردود ہوتی ہے۔ اگر اُس نے تہمت لگائی اور اُس پر حد جاری نہیں ہوئی تو گواہی بھی نامعتبر نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حد نے اُسے پاکیزگی میں بڑھا دیا۔ اور تہمت کے گناہ کو ہلکا کر دیا یا اُٹھا دیا۔ پس حد کے بعد وہ اپنی پہلی حالت سے اچھی حالت میں ہے۔ باوجود اس کے اُس کی شہادت حد لگ چکنے کے بعد رَدّ کر دینا اُس کی سزا اور حد میں ہی داخل ہے اور حد اور لوازمات حد توبہ سے دُور نہیں ہو جاتے۔ دیکھئے اگر تہمت لگانے والا توبہ کر لے تو حد سے بَری نہیں ہوتا۔ اسی طرح اُس کی شہادت بھی نامقبول ہے سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں توبہ کی قبولیت کا تعلق اللہ کریم سے ہے لیکن اُس کی شہادت مردود ہے۔ شریحؒ بھی فرماتے ہیں کہ ایسا شخص ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت ہو گیا۔ توبہ کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اُس کے اپنے درمیان ہے۔ پس اس مسئلہ کا گُر یہ ہے کہ گواہی کا نہ قبول کیا جانا بھی اس کے اُس گناہ کی سزا میں داخل ہے پس جس طرح حد ساقط نہیں ہوتی یہ بھی ساقط نہ ہوگی۔ اور حضرات فرماتے ہیں اور لفظ امام شافعیؒ کے ہیں ہم کلام کے بیان میں اول آخر تک پہنچ کر تمام وہ باتیں بیان کر دیں جنکی طرف قدر رکھنے والے جاتے ہیں۔ مگر یہ کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اہل عراق کا

کر حق کا ثبوت ہر ممکن اور جائز طریق سے حاصل کرلے۔ اور کسی ایسے طریق کو نہ چھوڑے۔ پس وہ کسی ایسے شخص کی شہادت کو کیسے مہمل چھوڑ دیگا؟ جبکہ شہادت روایت اور فتوے کی صورت میں خود خدا کے رسولؐ پر اور دین اسلام پر جائز ہے۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ سزا گناہ کے محل میں ہوتی ہے یہ بھی کوئی کلیہ نہیں زانی اور شرابی کی سزا کی مثال گزر چکی ہے اور زبان کے قذف کی سزا صرف زبان کو ہی نہیں دی جاتی بلکہ سارے جسم کو دی جاتی ہے۔ تہمت لگانے والے کی سزا اُس کے فسق کی وجہ سے تھی۔ اسی نے اُسے محل تہمت میں لا کھڑا کیا تھا۔ جب وہی نہ رہا اور توبہ سے فسق ہٹ گیا تو پھر سزا جو اس کی وجہ تھی باقی کیوں رہے گی؟ تمہارا یہ کہنا کہ ردّ شہادت بھی تمام حد سے ہے ہم تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ حد تو کوڑوں کی گنتی پوری ہوتے ہی پوری ہوگئی۔ اُس کا سبب نفس تہمت تھی گواہی کو مردود کرنے کا سبب اسکا فسق تھا نہ کہ حد کا بقیہ تہمت نے اس پر دو حکم لگائے تھے فسق کا عائد ہونا اور حد کا لگنا۔ پس ان دونوں میں بالکل غیریت اور جدائی ہے **فصل** حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ جسے نسبت آزادگی کی یا قرابت کی تہمت ہو اُس کی گواہی بھی رد ہے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ شک اور بدگمانی کی گنجائش کے موقعہ پر رشتہ دار کی رشتے دار پر گواہی غیر معتبر ہے صرف قرابت داری اور صرف نسبت آزادگی گواہی کو رد کرنے والی چیز نہیں یہی بات پہلے گزر چکی ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ والد کی ولد کے لئے اور ولد کی والد کے لئے اور بھائی کی بھائی کے لئے گواہی معتبر ہے جبکہ یہ سچے اور عادل لوگ ہوں۔ جناب باری نے قرآن کریم میں فرمایا جن گواہوں پر تمہارا اطمینان ہو وہاں یہ نہیں فرمایا کہ بیٹا باپ اور بھائی کے سوا۔ یہ خیال نہ کرو کہ پھر حضرت عمرؓ سے ایک بارے میں دو روایتیں مختلف مروی ہوئیں۔ ایسا نہیں منع اُس وقت ہے جب شک شبہ ہو یہ نہ ہو تو کچھ نہیں۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی یہی لکھا کہ اولاد کی شہادت باپ کے بارے میں لے لی جائے۔ اسحٰق بن راہویہؒ فرماتے ہیں مسلمانوں کے تمام قاضی اسی بات پر رہے۔ شاہد کی شہادت اُسکے سچا ہونے کے خیال سے ہی قبول کی جاتی ہے جب اُس پر تہمت کا گمان ہوا طرفداری کا شک ہوا تو سچا ہونے کے خیال کا اور تہمت کا سامنا ہوگیا

پھر بھی اصلی برأت باقی رہی اور اُس کے خلاف کوئی چیز نہیں **فصل** آپ کا فرمان کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی پوشیدگیوں کا خود ہی والی ہے جب تک کسی جرم کا کافی ثبوت نہ ہو کوئی دنیوی سزا نہیں ہوسکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ظاہری حال اچھا ہو شہادت مقبول ہے۔ باطن کا علم اللہ علام الغیوب کو ہے۔ احکام کا مدار ظاہر پر ہے نہ کہ باطن پر۔ ہاں آخرت کے دن کا فیصلہ باطن پر ہے ظاہر اُس کے تابع ہے بخلاف دنیوی فیصلوں کے۔ اس سے بعض عراقیوں نے دلیل لی ہے کہ جب تک کسی مسلمان سے عدل کے خلاف کوئی واقعہ ظاہر نہ ہوا ہو اُس کی شہادت مقبول ہے گو وہ مجہول الحال ہو۔ اس لئے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر بحیثیت ایک عادل گواہ کے ہے۔ دلوں کے بھید کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اس قول سے یہ مسئلہ نکالنا ٹھیک نہیں کیونکہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کوئی مسلمان بُرے شاہدوں کی شہادت پر قید نہ کیا جائے ہم سوائے عادل گواہوں کے اور کی گواہی قبول نہ کرینگے۔ اور روایت میں یہ فرمان قسم کے ساتھ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا جو ہمارے سامنے بھلائی ظاہر کریگا ہم اوسے بھلا سمجھ کر اُس سے محبت رکھیں گے اور جس کی بُرائی ہم پر کھل جائے گی ہم اُسے بُرا جان کر اُس سے نفرت کرینگے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فرمان کہ خدا نے اُن پر حدوں کو پردے میں کردیں اس سے مراد یہ ہے کہ حُرمت کے قریب جانے کو ممنوع قرار دیدیا۔ حد کا لفظ گناہ کے لئے بھی آیا ہے اور شرعی مقررہ سزا کے لئے بھی۔ حضرت عمرؓ کے فرمان میں بینات سے مراد دلیلیں اور گواہ ہیں۔ چنانچہ آپ سے ثابت ہے کہ حمل کی وجہ سے آپنے حد جاری کی۔ پس حمل کا ہونا یہ گواہوں کے ہونے سے بھی پختہ ثبوت ہے۔ اسی طرح منہ کی بُو کی وجہ سے حدِ شراب کا صحابہؓ کے نزدیک جاری کرنا ہے جسے فقہاء مدینہ اور اکثر فقہاء اہل حدیث بھی مانتے ہیں **فصل** آپ کا فرمان کہ اور قسمیں اس سے مراد لعان کے معاملے میں خاوند کا قسمیں کھانا اور مقتول کے ولیا کا قسامت کے بارے میں قسمیں کھانا ہے۔ جو دلیل اور بینہ کے قائم مقام ہے **فصل** آپ کا فرمان کہ فہم و فراست کو لئے رہو قرآن حدیث سے فیصلہ کرو نہ ملے تو ایسے وقت امور کا قیاس کرو مثالوں کو سامنے رکھو اور جو خدا کی زیادہ پسندیدہ اور حق سے زیادہ مشابہت

بالکل خلاف چیز ہے اور آنحضرتؐ کے اس فرمان سے بھی یہ خلاف پڑتا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا مثل اُس کے ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ اس حدیث کی تسلیم کے بعد مطلب یہ ہوگا کہ تہمت لگانے سے توبہ کرنے والا مثل اُس کے ہے جس نے تہمت لگائی ہی نہ ہو پس کیا پھر بھی اُس کی شہادت قابلِ قبول نہیں مانی جائیگی؟۔ اب جو لوگ اس کی شہادت نہیں مانتے اُن کے دلائل ملاحظہ ہوں: وہ کہتے ہیں کہ تہمت لگانا ایک سرقت خدائی خیانت ہے دوسری جانب انسانی قصور ہے اور یہ بدترین قصور ہے پس ڈانٹ ڈپٹ بھی سخت ہے اور سب سے اعلیٰ ڈانٹ ہمیشہ کے لئے اُسے ناقابلِ گواہی رکھنا ہے جس سے اُسے قلبی صدمہ ہو اور اُسے عبرت حاصل ہو۔ اس نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو ریزی کے لئے زبان درازی کی پس شریعت نے گویا مدت العمر کے لئے اس کی زبان کو کاٹ دی۔ اسی سے گناہ سرزد ہوا تھا یہی "معتبر" قرار دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ شارعؐ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر کی۔ اس پر اگر یہ کہا جائے کہ پھر تو زانی کا بھی عضو کاٹ دینا چاہئے۔ تو اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ عضو پوشیدہ ہے پس اُس کا کٹنا نہ کٹنا برابر ہے۔ باعث عبرت وہ چیز ہوتی ہے جو نظر آئے چھپی ہوئی چیز سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ اس سے نسلِ انسانی کٹتی ہے۔ تیسرے یہ کہ زنا کی لذت صرف اُسی عضو تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں تمام بدن کی شرکت ہے اس لئے سزا بھی وہ مقرر ہوئی جس سے سارے جسم کو ایذا پہنچے۔ یہی حکمت شراب خواری کی حد میں ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے کٹنے کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ انسان مرجائے اور غیر شادی شدہ زانی کو مار ڈالنے کا حکم نہیں۔ اور شادی شدہ کا یہ جرم بدترین طور پر کئی کئی قتلوں کا مستوجب ہے پس کسی خاص عضو کے کاٹ دینے سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ رہا آپ کا یہ اعتراض کہ حد کے جاری ہو جانے کے بعد شہادت کی نامنظوری اور حد سے پہلے شہادت کا اعتبار کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت کا رد کر دیا جانا یہ حد ہی کا تتمہ اور اسی کا ایک آخری حصہ ہے وہ نفس حد پر مقدم کیسے ہوگا؟ اور اس لئے کہ حد کے جاری ہونے کے بعد اُس کا جرم لوگوں پر کھل جائیگا اُس کی عزت گھٹ جائیگی۔ اب گواہی نامعتبر ٹھہریگی اس سے پہلے تو وہ بھاری بھرکم اور عزت و شرف والا ہے۔ زنا کر قتل

کرنے والے کی شہادت بعد از توبہ اس لئے معتبر ہے کہ اُس کی شہادت کے رد کرنے والی چیز اُس کا فسق تھا جو اب نہیں اور یہاں رد شہادت کی وجہ اُس کی حد کا تتمہ اور حد کا حصہ ہے پس جب وجہ جدا گانہ ہے تو حکم بھی علیحدہ ہوگا۔ قائلین کہتے ہیں کہ ڈانٹ ڈپٹ کی سختی کسی ضابطے کے ماتحت نہیں اور اس کا نتیجہ صرف حد کے جاری ہونے سے ہی نکل آتا ہے اسی طرح باقی کے بھی جتنے گناہ ہیں شارع علیہ السلام نے حد ہی کو سزا مقرر کی ہے ورنہ اُن کی بیویوں کو طلاق نہ دی جاتی نہ اُن کے مال ضبط کئے جاتے نہ انہیں عہدوں سے معزول کیا جاتا نہ اُن کی روایت غیر معتبر ہوتی اس لئے کہ کافی ڈانٹ یہی ہے۔ تم خود سوچ لو کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے توبہ سے انکار کر دیا تھا اُن کی روایت مسلمانوں کے اجماع سے معتبر ہے۔ اور سزا کی سختی اُن اوصاف میں سے ہے جو کسی قانون کی تہ میں نہیں آسکتے۔ رہا دل کا رنجیدہ کرنا یا بدن کو تکلیف دینا عبرت کا حاصل کرانا یہ سب حد کے لگنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ بلکہ ردِ شہادت تو اکثر تہمت لگانے والوں کے نزدیک کوئی چیز نہیں اس کا اثر تو خاص لوگوں پر ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ جرم ایسا کمینہ جرم ہے جو عموماً چرواہوں سے اور گرے پڑے ردی کھدری لوگوں سے ہی سرزد ہوتا ہے انہیں اپنی شہادت کے مردود ہو جانے کا خطرہ ہی کیا ہو سکتا ہے؟ ہاں پہلے ہی وہ ایسے کونسے شریف تھے جو انہیں اس سے دھبہ لگ جائے۔ بہت سے تہمت لگانے والے ہیں جنہیں عمر بھر میں کسی حاکم کے ہاں کسی گواہی میں جانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا ہوگا۔ پس ایسے کی کوئی سزا تو ایسی ہونی چاہئے جو عام لوگوں پر اثر ڈالنے والی ہو۔ اب اس میں جس فائدے پر تمہاری نظر ہے اُس کے برخلاف تم اس کے نقصان پر بھی نظر ڈالو کہ اس کی گواہی کو ہمیشہ کے لئے مردود کرنے سے بہت سے حقوق کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے اور موقعہ پر گواہی نہ ہونے کا اندیشہ بھی ہے اور معتبر مان لینے سے کوئی نقصان کسی کے حق کے بارے میں نہیں ہوتا کیونکہ ایک تائب اور دل کی گواہی ہے جسنے خدا کو راضی کر لیا ہے پھر یہ بھی دیکھئے کہ کسی مصلحت کے لئے ایک فساد کا اندیشہ ہے اُس مصلحت سے کہیں بہتر ہے جس میں کئی ایک فساد کا امکان ہو خود شاہد کے حق میں بھی جس کے لئے یا جس کے خلاف وہ شہادت دینا چاہتا ہے اُس کے حق میں بھی۔ اور شارع کا صاف اور واضح طریقہ یہی

برسانے والا ہے۔ جس کے جواب میں اُن سے فرمایا گیا کہ یوں نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ تیز و تند ہوا ہے جس میں المناک عذاب ہے۔ جو اپنے رب کے فرمان سے ہر چیز کو ہلاک کر دینے والی ہے یہی ہوا کہ صبح ہوتے ہوتے صرف اُن کے مکانات تو نظر آتے رہے لیکن وہ سب بُھس کی طرح اُڑا دئے گئے۔ گنہگاروں کو ہم یونہی بدلے دیا کرتے ہیں۔ اسے بیان فرما کر فرمایا کہ جن چیزوں کی وسعت ہم نے تمہیں دے رکھی ہے انہیں بھی دے رکھی تھی۔ اُن کی بھی آنکھیں تھیں کان تھے دل تھے لیکن انہیں کوئی فائدہ ان چیزوں نے نہ دیا اس لئے کہ وہ خدا کی آیتوں کے انکاری تھے۔ جس چیز کا مذاق اڑاتے تھے اُس نے انہیں بُری طرح آن دبوچا۔ پس اس آیت کے ان الفاظ پر غور کرو کہ وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ تو تمہیں صاف معلوم ہو جائیگا کہ جو حکم اُن کا تھا وہی ان کا رہا۔ جس طرح اُن کے ساز و سامان اور کر و فر نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسی طرح تمہارا بھی زورِ بازو اور مال و متاع محض بیسود رہ جائیگا پس دو برابر کی چیزوں میں ایک ہی حکم جاری رہا۔ اور اس سے عدلِ خدا پوری طرح ظاہر ہوا۔ اسی طرح فرمان ہے کہ کیا یہ زمین میں چل پھر کر دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا؟ اللہ نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ اُن کافروں کیلئے اُن کی مثالیں اب بھی موجود ہیں۔ پس ہمیں خبر دی کہ شے کا حکم اسکی مثال کا حکم ہوتا ہے۔ اسی طرح سے قرآن میں جہاں کہیں بھی سیر کرنے کا حکم ہے وہ دلالت کرتا ہے عبرت حاصل کرنے پر اور ڈرنے پر کہ کہیں مخاطبین پر بھی وہی عذاب نہ آ جائے جو گذشتہ لوگوں پر آیا۔ آیت میں سیر سے مراد خواہ سیاحت ہو خواہ غور و فکر ہو خواہ دونوں ہو اور یہی تفسیر زیادہ درست ہے۔ اسی باعث آنکھوں والوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ ان بدکاروں پر جو عذاب اُترے ہیں اُن سے عبرت حاصل کریں۔ اگر نظیر کا نظیر پر حکم نہ مانا جائے تو فرمائیے عبرت کیا باقی رہیگی؟ اسی طرح دو ایسی چیزوں میں سے جو مختلف ہوں برابری کو بالکل الگ کر دی اور اپنے حکم و حکمت سے ان میں تفریق کی نوبت ہے کہ کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر کر دیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسی باتیں بنا رہے ہو؟ گویا ہمیں بتلا دیا کہ ایسا حکم بالکل باطل ہے اور خدا ئے پاک باطل سے دور ہے

فطرت اور عقل اس سے انکاری ہے۔ پھر بھلا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کیسے یہ کر دیگا؟ اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے کہ کیا گنہگار اس خیال میں ہیں کہ ہم انہیں ایمانداروں اور نیک عمل کرنیوالوں جیسا بنا دینگے؟ انکی تو زیست و موت یکساں ہے یہ بڑے بُرے فیصلے کر رہے ہیں۔ اور آیت میں ہے کہ کیا ہم ایمان والوں اور نیکیاں کرنے والوں کو ملک میں فساد پھیلانے والوں جیسا کر دیں؟ یا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں جیسا بنا دیں؟ پس دیکھ لیجئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے عقل کا ذکر کیا اور فطرت کو اُبھارا کہ وہ نظیر کا حکم نظیر پر جاری کرے۔ ہاں ایک دوسرے کی مخالفت کیوجہ ایک حکم نہ کرے۔ پس یہ ہے وہ ترازو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کیساتھ اُتارا اور اسکا ساتھی اور وزیر بنایا۔ اور فرمایا اللہ وہ ہے جسنے حق کیساتھ کتاب نازل فرمائی اور ترازو بھی۔ اور آیت میں ہے ہمنے اپنے رسولوں کو دلیلوں کیساتھ بھیجا اُنکے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں اور ترازو تاکہ لوگ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو جائیں۔ اور فرمان ہے وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۞ اس سے پہلے بھی قرآن کا بیان ہے کہ میزان سے مراد عدل ہے اور وہ چیز جس سے عدل اور بے عدلی ظاہر ہو جائے۔ قیاسِ صحیح بھی میزان ہی ہے اور قیاس کا صحیح اور موزوں نام بھی یہی رکھنا چاہئے کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود یہ نام لیا ہے یہ قیاس عدل پر دلالت کرتا ہے اور ہر شخص پر ہر وقت اپنی طاقت کیمطابق عدل واجب ہے۔ اور عدل بہترین اور قابلِ تعریف چیز ہے۔ ہاں قیاس کا نام ایسا ہے کہ وہ حق و باطل دونوں طرف گیا ہے اور کبھی بہت اچھا ہوتا ہے اور کبھی بیحد بُرا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اسکا نام نہ تو بھلائی سے آیا نہ بُرائی سے نہ اسکا حکم ہوا نہ اس سے روکا گیا۔ یہ صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ صحیح تو وہ میزان ہے جسے جناب باری نے اپنی کتاب کیساتھ نازل فرمایا ہے اور فاسد وہ ہے جو کتاب اللہ کیخلاف ہو۔ جیسے انکا قیاس جنہوں نے بیع کو سود پر قیاس کیا۔ صرف اس بنا پر کہ بیع میں اور اسمیں دونوں میں مالی معاوضہ پر دونوں جانب کی رضامندی ہوتی ہے۔ اور جیسے اُن لوگوں کا قیاس جنہوں نے اپنی موت مرے ہوئے جانور کو اور ذبح کئے ہوئے جانور کو ایک قیاس کیا۔ کیونکہ روح دونوں صورتوں میں نہیں ہوتی۔ پہلی صورت میں خدا کیطرف سے دوسری صورت میں انسانوں کے ایک فعل سے۔ اسلئے تم دیکھو گے کہ سلف صالحین نے قیاس کی بہت مذمت کی ہے اُسے دین میں کوئی چیز نہیں سمجھا۔ ساتھ ہی تم دیکھو گے کہ اُنکے کلام میں اسکا استعمال ہوا ہے اس سے استدلال کیا گیا ہے۔ حق یہ بھی ہے اور وہ بھی۔ انشاء اللہ العزیز ہم اسکی پوری تشریح بھی کر دینگے ۞۞

رکھتی ہو۔ اُس سے فیصلہ کرو۔ اس فرمان سے قیاسی لوگ اپنا پلہ بھاری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جناب عمرؓ کی یہ کتاب ہے جو ابو موسیٰؓ جیسے صحابی کو لکھی گئی اور کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا پس ثابت ہوا کہ قیاس پر یہ سب لوگ متفق تھے اور قیاس اصولِ شرع میں سے ایک اصل ہے فقیہ حضرات اس سے بے نیاز کبھی نہیں ہو سکتے خود قرآن میں قیاس کا استعمال موجود ہے دوبارہ کی پیدائش کو پہلی دفعہ کی پیدائش پر قیاس کر کے اسے ممکن تبلایا ہے۔ پہلی دفعہ کی پیدائش کو بطور اصل کے اور مر کر جی اُٹھنے کو بطور فرع کے۔ اسی طرح خشک بے آب و گیاہ زمین کے بارش کی وجہ سے لہلہا اُٹھنے پر مُردوں کے جی اُٹھنے کا قیاس کیا ہے اور نئی پیدائش جسکا انکار کفار کرتے تھے آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر قیاس کر کے اسے قیاسِ اولیٰ قرار دیا۔ جیسے کہ پہلی دفعہ کی پیدائش سے دوسری دفعہ کے اُٹھ کھڑا ہونے کے قیاس کو قیاسِ اولیٰ قرار دیا تھا۔ اسی طرح موت کے بعد کی زندگی کو خواب کے بعد کی بیداری پر قیاس کیا۔ اسی طرح مختلف مقامات میں مثالیں بیان کر کے اُن کو مختلف امور کیطرف پھیرنا بھی عقلی قیاسات سے یہ ثابت کرنا ہے کہ کسی شے کا جو حکم ہو وہی اُس کی مثال اور نظیر کا حکم ہوتا ہے۔ یہ سب مثالیں دراصل قیاس ہی ہیں ان سے ممثل کا حکم ممثل بہ کے حکم سے ثابت ہوتا ہے چالیس سے اوپر اوپر مثالیں قرآنِ حکیم میں بیان ہوئی ہیں۔ جن سے ایک چیز کو اُسی جیسی چیز سے تشبیہ دیکر دونوں کو حکم میں ایک کر دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمنے یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کر دیں لیکن انہیں بجز علما کے اور لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ پس مثالوں کے بیان کرنے کا قیاس عقل کا خاصہ ہے۔ علاوہ ازیں فطرتاً اور عقلاً ہر انسان دو برابر کی چیزوں میں برابری کرتا ہی ہے اور ان میں فرق کا انکاری ہی ہوتا ہے اور دو مختلف چیزوں میں فرق کرتا ہے اور اُن کے جمع کا انکاری ہوتا ہے۔
ٹھیک اسی طرح استدلال کا مدار بھی اسی پر ہے کہ دو چیزیں جو آپس میں ایک جیسی ہوں اُن پر ایک ہی حکم لگانا اور جو دو چیزیں مختلف ہوں اُن میں حکم کا بھی فرق کرنا۔ یہ ظاہر ہے کہ یا تو استدلال معیّن کا معیّن پر ہوگا یا معیّن سے عام پر ہوگا یا عام سے معیّن پر ہوگا یا عام سے عام پر ہوگا۔ یہی چار قسمیں استدلال کی جان ہیں۔ پس معیّن سے معیّن پر استدلال ملزوم سے لازم پر استدلال ہے ظاہر ہے کہ ہر ملزوم لازم کی دلیل ہے جبکہ تلازم دونوں جانب سے ہو تو ہر ایک دوسرے کی دلیل ہوگا اور ہر ایک دوسرے کا مدلول ہوگا۔ یہ قسم تین قسموں پر ہے۔ پہلی قسم مؤثر سے اثر پر استدلال۔ دوسری قسم اثر سے مؤثر پر استدلال۔ تیسری قسم دو اثروں میں سے ایک سے دوسرے پر استدلال۔ پہلے کی مثال جلے ہوئے پر آگ کا استدلال۔ دوسرے کی مثال آگ پر جلے ہوئے کا استدلال۔ اور تیسرے کی مثال دھوئیں پر جلے ہوئے کا استدلال ان سب میں آپ دیکھ جائیے کہ مدارِ استدلال تلازم پر ہے۔ دو برابر کی چیزوں میں برابری ہی استدلال ہے دو اثروں میں سے ایک کے ثبوت کا دوسرے پر۔ اور فرق کرنے کا قیاس دونوں اثروں میں سے ایک کے نہ ہونے سے دوسرے کے نہ ہونے کا استدلال۔ یا انتفاءِ لازم سے انتفاءِ ملزوم کا استدلال۔ پس اگر ایک جیسی دو چیزوں میں تفریق جاری رکھی جائے تو استدلال کے تمام طریقے ہی بیکار ہو جائیں اور استدلال کے کل دروازے ہی بند ہو جائیں۔ معیّن سے عام پر استدلال اُسی وقت پورا ہوتا ہے جبکہ ایک جیسی دو چیزوں میں برابری ہو۔ اگر اُن میں فرق ہو تو معیّن کی دلالت عام پر جو تمام افراد میں مشترک ہے باقی نہ رہیگی۔ اسی قسم میں وہ دلیلیں داخل ہیں جو معیّن لوگوں کے عذاب کی ہیں اُن کے اس جرم پر کہ اُنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور حکمِ خدا کی نافرمانی کی پس یہی حکم ہر اُس شخص کا ہے جو ان جیسی گندی صفتیں رکھتے ہوں اور ان جیسی چال چلتے ہوں۔ پس خود اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس استدلال کیطرف رہبری کی اور اس خاص کو عام کی طرف تجاوز کرنے والا تبلایا۔ اگلے کفار کی سزاؤں کا حال بیان فرمایا کہ مخالفت و تکذیبِ رسول نے اُن پر کیا کیا عذاب لا ڈالے پھر فرمایا کہ کیا تمہارے یہ کفار اِن سے کچھ بہتر ہیں؟ یا تمہارے لئے کتابوں میں کوئی برأت آ چکی ہے۔ پس عمومِ علت کی وجہ سے حکم وہاں سے یہاں پہنچا۔ اگر اسے نہ مانا جائے تو نہ تو اس حکم کا اُن سے گزر کر ان تک پہنچنا ثابت ہوگا نہ دلیل پوری ہوگی۔ اسی طرح قرآن نے عادیوں کی ہلاکت کا بیان کیا کہ انہوں نے آسمان پر بادل دیکھ کر کہا کہ یہ بادل ہم پر بارش

بسم اللہ ۔ والحمد للہ ۔ والصلوٰۃ علیٰ نبی اللہ ۔

فہرست مضامین دلائل المحققین ترجمہ اعلام الموقعین المعروف بہ دین محمدی

الحمد للہ کتاب دین محمدی ترجمہ کتاب اعلام الموقعین کی پہلی جلد یہاں پر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور میرے لئے اسے ذخیرۂ عقبےٰ بنائے اب جلد دوم کا ترجمہ اسکے بعد شروع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

محمد بن ابراہیم ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی

اطلاع - کتاب اعلام الموقعین کے آخری حصے کا ترجمہ بنام دین محمدی ترجمہ ہوچکا ہے اور زیر طبع ہے۔ یہ حصہ تقریباً پونے دوسو صفحات ہیں ہے۔ یہ پوری کتاب کا ماحصل ہے۔ اسمیں پہلے فتوے دینے والوں اور فتویٰ لینے والوں کے آداب شرعی بتائے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے جو سوالات کئے ہیں اور حضورؐ نے جو فتوے دئے ہیں۔ اُن سب کو جمع کیا ہے اس لحاظ سے اس کتاب کے اس حصے کے ترجمے کا نام بھی ہمنے **فتاویٰ محمدیہ صلعم** رکھا ہے۔ آپنے بڑے بڑے مولوی صاحبان کے ضخیم فتاوے پڑھے ہونگے۔ آج ہی اس فتاویٰ محمدیہ کو بھی منگوالیں ہمیں اسکی تعریف کی چنداں ضرورت نہیں صحابہؓ فتویٰ لینے والے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتویٰ دینے والے ہیں۔ اگر آنکھیں بند کر کے کوئی کتاب فتویٰ دینے اور فتویٰ لینے والوں کیلئے قابل عمل دنیا پر ہے تو یہی ہے۔ خوش قسمتی سمجھیے کہ اسکا ترجمہ ہوگیا۔ اُٹھئے اور فوراً منگوا لیجئے۔ قیمت بھی ہمنے بہت ہی کم رکھی ہے لیجئے صرف پونے دو روپے

اطلاع - یہ پہلا حصہ دین محمدی کا جو اخبار محمدی کیساتھ چھپا ہے وہ بھی اخبار کے علاوہ بھی ہمنے چھپوا لیا ہے جو صاحب چاہیں اسکا پہلا حصہ ہم سے صرف چودہ آنے قیمت پر منگوالیں باقی حصے بھی اسکے انشاء اللہ عنقریب تیار ہوجائینگے۔ "منیجر" پتہ دفتر اخبار محمدی دہلی

تفسیر محمدی اردو ترجمہ تفسیر ابن کثیر کامل تیس پارے

مولانا محمد صاحب کو خدائے تعالیٰ جزائے خیر کہ جہاں آپنے اعلام الموقعین جیسی عظیم الشان اور ضروری کتاب کا ترجمہ شروع کر دیا ہے اور اسکے دو حصے کے ترجمے سے آپ فارغ بھی ہوچکے ہیں وہاں نیز بفضلہ تعالیٰ پوری تفسیر ابن کثیر کا بھی اردو ترجمہ کر ڈالا ہے کتابی دین محمدی کے سائز پر بڑے صفحات میں ڈھائی ہزار صفحات پر آئی ہے ہر پارہ الگ الگ ہے تفسیر ابن کثیر کا لفظی ترجمہ ہے اور ایسا سلیس اور واضح اور آسان کہ اس سے زیادہ ناممکن آٹھ سال کی محنت کا یہ نتیجہ ہے یہ تفسیر دنیا کی سب تفسیروں سے زیادہ معتبر اور مستند ہے آٹھ سال میں ہزارہا کے خرچ کے بعد یہ ترجمہ چھپا ہے ہر پارہ الگ الگ رکھا ہے ہر پارے کی الگ الگ قیمت ملاحظہ ہو: پہلا پارہ ۱۲؍ دوسرا ۸؍ تیسرا ۸؍ چوتھا ۸؍ پانچواں ۸؍ چھٹا ۸؍ ساتواں ۸؍ آٹھواں ۸؍ نواں ۸؍ دسواں ۸؍ گیارھواں ۸؍ بارھواں ۸؍ تیرھواں ۸؍ چودھواں ۱۵؍ پندرھواں ۱۴؍ سولہواں ۸؍ سترھواں ۸؍ اٹھارھواں ۸؍ انیسواں ۱۴؍ بیسواں ۱۴؍ اکیسواں ۸؍ بائیسواں ۸؍ تئیسواں ۸؍ چوبیسواں ۸؍ پچیسواں ۸؍ چھبیسواں ۸؍ ستائیسواں ۸؍ اٹھائیسواں ۸؍ انتیسواں ۸؍ تیسواں ۸؍ - لیکن مکمل تفسیر کی رعایتی قیمت صرف بیس روپے ہے۔ جلد اس پتے سے منگا لیجئے۔ "دفتر اخبار محمدی دہلی"

اس کتاب کے مترجم حضرت مولانا محمد صاحب کی تصنیف کردہ اور بعض کتابیں

ایمان محمدی ایمان کی ستتر شاخوں کا قرآن حدیث اور اقوال بزرگان سے پورا بیان قیمت دس آنے
صلوۃ محمدی وضو نماز وغیرہ کے جملہ احکام ترکیب اور دعائیں مع ترجمہ مطابق احادیث تین آنے
صیام محمدی نفلی فرضی روزوں اور ماہ رمضان کے کل احکام مطابق احادیث۔ تین آنے
زکوٰۃ محمدی زکوٰۃ خیرات کے کل مسائل نصاب تحقیق زکوٰۃ وغیرہ کا کل بیان مع حوالہ تین آنے
سیرت محمدی رسول کریمؐ کی سچی سوانحعمری آپکی اولاد اور بیویوں وغیرہ کے حالات۔ بارہ آنے
عقیدۂ محمدی اہلحدیث کے سچے مذہب کا بیان اور جو تہمتیں اُنپر ہیں سب کا ازالہ۔ قیمت ایک آنہ
عقائد محمدی امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب کا ترجمہ عقائد کے بارے میں سچا مسلمان بنانیوالی کتاب ایک آنہ
فرمان محمدی زیارت قبر کا صحیح طریقہ۔ قبروں کی تمام بدعتوں کی تردید قبر پرستی کا رد۔ قیمت ایک آنہ
ہدایت محمدی حنفی مذہب فقہ کی سب سے اعلیٰ کتاب ہدایہ کے ایکسو مسائل جو غلط اور بیتیناک ہیں۔ دو آنے
برأت محمدی حسن نظامی نے اہلحدیث کیخلاف جو رسالہ لکھا تھا اُسکا قابلہ یدجواب۔ ایک آنہ
برہان محمدی امام سبکیؒ کے رسالے کا ترجمہ رفع الیدین کے ثبوت میں سب سے اعلیٰ کتاب عربی مع ترجمہ دو آنے
سیف محمدی فقہ حنفی اور کتب حدیث کے فرق کو واضح کرنیکے لئے اسمیں چھ سو غلط مسائل فقہ کے مع حوالہ ایک روپیہ
طریق محمدی تقلید کی تردید میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں اسمیں چھ سو دلیلوں سے تقلید کا رد ہے قیمت ایک روپیہ
دلائل محمدی حصہ اول۔ قرآن حدیث اور حنفی مذہب سے آمین رفع الیدین اور سورہ فاتحہ کا ثبوت۔ قیمت تین آنے
دلائل محمدی حصہ دوم۔ ان تینوں مسائل میں حنفیوں کی جو دلیلیں تھیں اُنکا جواب اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت (۸؍)
صدائے محمدی اہلحدیث کے مذہب پر جتنے بڑے بڑے اعتراضات کئے جاتے ہیں سب کا جواب دو آنے
درایت محمدی حنفی مذہب کی اعلیٰ کتاب ہدایہ کی ہر فن کی غلطیوں کا ثبوت سے بیان۔ بارہ آنے
تحفہ محمدی بقرہ عید کے نماز عید کے قربانی کے مفصل احکام مع حوالہ حدیث قیمت ایک آنہ
آئینہ محمدی داڑھی مونچھ خط اور لباس کے کل احکام مطابق احادیث مع حوالہ۔ قیمت ایک آنہ
عصائے محمدی اہلحدیث کے مسائل پر جتنے اعتراض مخالفین کرتے ہیں سب کا جواب قیمت چھ آنے
میلاد محمدی مولود اور قیام مولود کی قابلہ ید تردید قرآن حدیث اور فقہ سے قیمت دو آنے
حقوق محمدی آنحضرتؐ کا نام سنکر انگوٹھے چومنے کی تردید اور درود شریف پڑھنے کی تاکید۔ ایک آنہ
فضائل محمدی اہل حدیث کے ہمیشہ سے ہونے اور قیامت تک رہنے اور فرقہ ناجیہ ہونے کا ثبوت عربی مع اردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے
امام محمدی حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ کی پوری سوانحعمری ساتھ ہی اُن پر اور اماموں نے جو جرح کی ہے وہ بھی عربی مع اردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ چھ آنے۔
توحید محمدی پکی قبروں گنبدوں اور مقبروں کے حرام ہونیکی اور انہیں گرا دینے کی سینکڑوں دلیلیں چار آنے
صراط محمدی تعزیہ داری کی پوری تردید قرآن حدیث اور فقہ سے قیمت ایک آنہ
معراج محمدی معراج جسمانی کا ثبوت معراج کا صحیح قصہ اور ماہ رجب کی بدعتوں کی تردید ایک آنہ
العام محمدی عید الفطر کے نماز عید کے فطرے کے کل احکام اور مسائل حدیثوں سے۔ ایک آنہ
درود محمدی تیجے دسویں بیسویں برسی عرس وغیرہ میت کی تمام بدعتوں کی تردید۔ پانچ آنے
حج محمدی حج نہ کرنے کا۔ حج میں دیر کرنے کا وبال حج کے فضائل اور تاکید۔ قیمت ایک آنہ
تعلیم محمدی عورتوں کو شرعی تیود کے ماتحت لکھنا سکھانیکا کافی ثبوت اور مخالفوں کی تمام دلیلوں کی تردید (۱؍)
مکالمات محمدی حضرت سلطان ابن سعود پر جو اعتراض ہیں سب کے قرآن حدیث سے جوابات۔ ایک آنہ
جماعت محمدی عورتوں کو عیدگاہ اور مجالس وعظ میں لیجانیکی روایتیں اور مخالفین کی تردید۔ چار آنے
اطلاع ان کتابوں کے علاوہ بھی ہر قسم کی کتابیں اس دفتر سے مل سکتی ہیں فہرست مفت منگا لیجئے

منگانے کا پتہ:- دفتر اخبار محمدی دہلی